رواج

مدیحہ عدنان



ناولٹ

رواج

مدیحہ عدنان



فضا میں موتیے اور گلاب کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بہار کی آمد نے زمین کے چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھیر دیے تھے۔ سرخ دیوار سے لپٹی سبز بیلیں ہوا سے ہولے ہولے لہرا رہی تھیں۔ سارہ آبنوسی لکڑی اور سیاہ زنجیر سے بنے خوب صورت سے جھولے پر بیٹھی گود میں رکھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ پاس رکھی نیلے رنگ کی فائل کے اوپر اس کا موبائل پڑا تھا۔ سفید رنگ کی لمبی فراک اس کے پیروں کو چھو

رہی تھی۔ یوں جھولے پر بیٹھی وہ کسی کہانی کا مادرائی کردار لگ رہی تھی۔

''سارہ......! سارہ!'' ہما بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی۔

سارہ نے کتاب سے نظریں ہٹالیں اور حیرت سے اس کے تمتماتے چہرے کو دیکھنے لگی۔

''ایک خوشخبری ہے تمہارے لیے۔'' وہ پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ جھولے پر اس کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

''کیسی خوشخبری؟'' سارہ کی آنکھیں یک دم ہی چمکنے لگیں۔ وہ کتاب بند کر کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''میں نے امی سے تمہارے اور شہریار کے متعلق بات کر لی ہے۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وہ آج ابو سے بھی بات کرلیں گی۔ تم شہریار سے کہو اب وہ جلد اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجے۔'' وہ تیزی سے جھولا جھولتے ہوئے بولی۔

''تھینکس گاڈ! ایک بڑا مسئلہ تو حل ہوا۔'' سارہ کے لب مسکرانے لگے۔ اس نے فائل پر رکھا ہوا موبائل اٹھالیا اور میسج کرنے لگی۔ وہ یہ خوشخبری جلد از جلد شہریار کو دے دینا چاہتی تھی۔

''شہریار کی فیملی تو راضی ہے ناں؟'' ہما نے سارہ کے حسین چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں اسی فیصد کام تو ہوگیا ہے۔ صرف دس فیصد رہ گیا ہے۔ تم دعا کرو کہ مزید کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔''

سارہ ہنوز موبائل پر میسج کرنے میں مصروف تھی۔ موبائل پر کوئی میسج آیا تھا۔ سارہ دائیں طرف جھولتی چٹیا پر ہاتھ پھیرتی میسج پڑھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ مسکرا رہے تھے اور آنکھوں میں الوہی چمک تھی۔ ہما کو پتا تھا اب وہ آدھا گھنٹا موبائل پر مصروف رہے گی یہاں تک کہ اسے اردگرد کا ہوش بھی نہیں رہے گا۔ اس نے سارہ کی فائل اور کتاب اٹھالی اور اندر آگئی۔

☆☆☆

بڑی حویلی میں ہر سو خاموشی تھی۔ نتاشا کے کمرے کا دروازہ صبح سے بند تھا اور آج کسی نے اس طرف آنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ زائرہ بیگم اسے سنبھالتے سنبھالتے ہلکان ہوگئی تھیں لیکن اس کا رونا دھونا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ قیمتی سامان سے سجا بیڈروم اس وقت شدید برے حالوں میں تھا۔

''کیوں خود کو رو رو کر ہلکان کر رہی ہو؟ ارے کسی مرد کے لیے آنسو بہانے سے بڑی بے وقوفی اور کوئی نہیں ہوتی۔ تھوڑا انتظار کرلو جو تم چاہو گی وہی ہوگا۔'' زائرہ بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے پیار سے کہا۔ بیٹی کے آنسو اُن کے دل میں شگاف ڈال رہے تھے۔

''ماما! شہریار نے مجھ پر ایک کمتر لڑکی کو ترجیح دی ہے، میں اپنی یہ انسلٹ کبھی نہیں بھول سکتی۔ آپ میری تکلیف کا اندازہ بھی نہیں کرسکتیں۔ بچپن کی منگنی کے باوجود اس کے دل میں میرے لیے کوئی فیلنگز پیدا نہیں ہوئیں، کیا میں اس قدر گئی گزری ہوں؟'' نتاشا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کے کندھوں پر الجھے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بے حد غم اور صدمے کی کیفیت سے گزر رہی تھی۔ زائرہ بیگم کا دل اسے دیکھ کر پھٹا جا رہا تھا۔ اولاد کی تکلیف ماں، باپ کے لیے بہت بڑی آزمائش ہوتی ہے۔

''بیٹا تمہیں میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا۔ شہریار کی دلہن تم ہی بنوگی۔ تم دیکھنا، اس لڑکی کو میں کیسے دھکے مار کر اور ذلیل کر کے اس گھر سے نکالوں گی۔ پیر کی جوتی بننے والی لڑکی سر کا تاج نہیں بن سکتی۔ مردوں کی زندگی میں لڑکیاں آتی جاتی رہتی ہیں۔ اس بات کو اتنا دل پر نہیں لینا چاہیے، ارے مرد کی تو فطرت میں ہی بے وفائی رچی ہوتی ہے۔ تھوڑا انتظار کرلو۔ سب کچھ تمہارا ہی ہے۔'' زائرہ بیگم نے محبت سے اس کے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

''شہریار کی شادی تم سے نہ کروائی تو میرا نام بدل دینا۔'' ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔

نتاشا کی سسکیاں تھم گئیں، وہ رومال سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔

''ماما، میں اس لڑکی کو اس گھر میں کس طرح برداشت کروں گی، کس طرح اسے دلہن بنے اس گھر میں چلتے پھرتے دیکھوں گی، میرا تو دل پھٹ جائے گا۔'' نتاشا نے اذیت سے آنکھیں میچ لیں۔

''صرف کچھ دنوں کی بات ہے بیٹا۔ چاردن اسے خوشیاں منالینے دو پھر وہ اپنے فیصلے پر خود ہی پچھتائے گی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تمہیں شہریار کی دلہن بناؤں گی۔ یہ اذیت وہ بھی محسوس کرے گی۔'' زائرہ بیگم کے پُرعزم لہجے میں چٹانوں کی سی سختی تھی۔ نتاشا کے دل کو ڈھارس ملی۔ دفعتاً کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ زائرہ بیگم نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے شانزے کھانے کی ٹرے لیے کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی زائرہ بیگم کے تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے۔

''کیوں آئی ہو تم یہاں؟'' وہ غصے سے بولیں۔ شانزے کے ہاتھ میں ٹرے کانپنے لگی۔

''جی، نتاشا نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اس لیے اس کے لیے کھانا لائی ہوں۔'' وہ کمزور سی آواز میں بولی۔

''سوہائی کہاں مرگئی ہے، تمہارا آنا ضروری تھا کیا؟'' زائرہ بیگم غرائیں۔

''سوہائی گودام کی صفائی کر رہی ہے۔'' شانزے نے جھکی نظروں کے ساتھ جواب دیا۔

''دفع ہوجاؤ یہاں سے اور جتنا کام بتایا جائے اتنا ہی کیا کرو۔ دوبارہ اس طرف آنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے ایک جھٹکے سے ٹرے اس کے ہاتھ سے لے لی اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا۔

''ماما مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' نتاشا نے ٹرے دیکھ کر برا سا منہ بنالیا۔

''کیوں اپنے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ ارے لوگ تمہیں ان حالوں میں دیکھ کر خوش ہوں گے۔ دنیا تو عورت کے دکھ کا تماشا دیکھتی ہے۔ اب یہی دیکھ لو شانزے کمّی، میسنی کیسے کھانا دینے کے بہانے آئی تھی۔ دل ہی دل میں تمہیں یوں روتا دیکھ کر خوش ہو رہی ہوگی۔ دشمنوں کے سینوں میں تو ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ بس اب میں تمہیں ہرگز روتا ہوا نہ دیکھوں۔ کوئی ایسی قیامت نہیں ٹوٹی۔'' زائرہ بیگم نے قطعیت سے کہا۔ نتاشا نے ایک لمبی سانس لی اور اثبات میں سر ہلا دیا گویا ماں کی بات سمجھ میں آگئی ہو۔

☆☆☆

بے حد سادہ سے ڈرائنگ روم میں تین نفوس بیٹھے تھے۔ سامنے رکھی میز پر مٹھائیوں اور پھلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ اسفند یار اور شہربانو آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دائیں طرف کرسی پر فرح بیگم بیٹھی تھیں۔ میرون رنگ کا قیمتی لباس پہنے ہاتھوں میں ڈھیر ساری انگوٹھیاں، کلائیوں میں بھاری کنگن، گلے میں ہیرے کا لاکٹ اور کانوں میں ہیرے کے ٹاپس پہنے وہ اس سادہ سے کمرے کی سادگی مزید اجاگر کر رہی تھیں۔

''آج کا دور مختلف ہے، بڑوں کو بچوں کی خوشی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ ہمارے کچھ فیملی پرابلمز ہیں جس کی وجہ سے ہم لوگ یہ شادی دھوم دھام سے نہیں کرسکتے۔ یہ شادی سادگی سے ہی ہوگی......'' ان کے لہجے میں مخصوص قسم کا رعب اور قطعیت تھی۔ شہربانو نے بے ساختہ اسفند یار کے چہرے کو دیکھا جن کی پیشانی پر گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

''دیکھیں بہن ہمارا بھی حلقۂ احباب ہے اور پھر پہلی بیٹی کی شادی ہے۔ ہمارے بھی کچھ ارمان ہیں۔ ہم یوں خاموشی سے کیسے شادی کرسکتے ہیں۔ بچوں کو اپنی پسند کی شادی کرنے کا حق ہے اور ہم نے ان کا یہ حق تسلیم کیا ہے۔'' اسفند یار نے اپنی عینک

درست کرتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کو بتا چکے ہیں کہ ہماری کچھ مجبوریاں ہیں۔ ہمارے ہاں خاندان سے باہر شادیوں کا رواج نہیں ہے۔ یہ تو شہریار کی ضد کے آگے ہمیں ہار ماننی پڑی ہے ورنہ اس کی بات تو بچپن سے اپنے چچا کی بیٹی سے طے تھی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس معاملے میں ہماری پوزیشن کس قدر آکورڈ ہو چکی ہے۔ ایک طرف خاندان، برادری ہے اور دوسری طرف بیٹے کی ضد...... ہم کن مسائل سے گزر رہے ہیں آپ اندازہ نہیں لگا سکتے......'' ان کا لہجہ بوجھل ہو گیا۔ ان کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ وہ یہاں اپنی خوشی سے نہیں بلکہ مجبوری کے عالم میں آئی ہیں۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ سارہ کو آپ کے خاندان میں وہ مقام کبھی نہیں مل سکے گا جو اس کا حق ہے۔'' اسفندیار نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

فرح بیگم کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو گئیں۔ انہوں نے سارہ اور اس کے حقوق کے بارے میں تو سرے سے سوچا ہی نہیں تھا وہ تو بس شہریار کی ضد کی وجہ سے آ گئی تھیں۔ بھلا ابھی سارہ کی اہمیت ہی کیا تھی۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، یہ تو سارہ پر منحصر ہے کہ وہ اپنا مقام کیسے بناتی ہے۔ اپنی جگہ اسے خود ہی بنانی ہے۔ اگر شہریار کی اپنی چچا زاد سے بات پکی نہ ہوئی ہوتی تو اور بات تھی مگر اب حالات مختلف ہیں۔ شہریار کے چچا ایک نامی گرامی سیاست داں بھی ہیں۔ ان کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ ملک سکندر شاہ۔'' اسفندیار نے بری طرح چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

''ملک سکندر شاہ۔'' اُن کے ہونٹوں نے بے اختیار جنبش کی۔ شہر بانو نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ فرح بیگم لاشعوری طور پر اپنی کلائی میں پہنے کنگن گھمانے لگیں۔

''معاف کیجیے گا ہمیں یہ رشتہ منظور نہیں۔''

اسفندیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اُن کے لہجے میں حد درجہ رکھائی تھی۔ شہر بانو ان کے یک دم بدل جانے والے رویے پر انگشت بدنداں رہ گئیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' وہ اسفندیار کے قریب آ کر آہستہ سے بولیں۔ فرح بیگم ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔ وہ یک دم اس کایا پلٹ کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔

''اگر آپ کو انکار ہی کرنا تھا تو پہلے اپنی بیٹی کو بتا دیا ہوتا۔'' فرح بیگم کو اپنی توہین کا احساس ہوا۔

''جو رشتے مجبوری کے تحت طے کیے جائیں ان کی پائیداری کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ یہ شادی ہمیں اور آپ کو مسائل کے سوا کچھ نہیں دے سکتی بہتر ہے اس بات کو یہیں ختم کر دیا جائے۔'' اسفندیار کے لہجے میں بلا کی اجنبیت اور قطعیت تھی۔ فرح بیگم بھی اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ ایک عام سے گھرانے کے عام سے فرد نے ان کے بیٹے کا رشتہ ٹھکرا دیا۔ یہ ان کی انا پر گہری ضرب تھی۔

''ہمارا مقصد آپ کی توہین یا بے عزتی کرنا نہیں ہے لیکن دانش مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اس سلسلے کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ بچے تو نادان ہیں، حالات کی نزاکت اور رشتوں کی اونچ نیچ کو نہیں سمجھتے۔'' اسفندیار کی آنکھ کے اشارے پر شہر بانو، فرح بیگم کے پاس آتے ہوئے لجاجت سے بولیں۔ وہ شوہر کی آنکھ کا اشارہ پہچانتی تھیں، انہیں رہ رہ کر سارہ کا خیال آ رہا تھا۔ انہیں احساس تھا کہ سارہ کا دل بری طرح ٹوٹے گا لیکن شوہر کے فیصلے پر احتجاج کرنے کی جرأت نہیں تھی۔

اسفندیار کے چہرے پر چٹانوں جیسی سختی تھی۔ ان کی آنکھوں میں اِک اجنبی سا تاثر ابھر آیا تھا۔ فرح بیگم رکی نہیں بلکہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ جو کچھ ہوا تھا ان کی توقع کے خلاف تھا۔ شہر بانو ان

کے پیچھے دروازے تک آئیں کچھ بھی تھا بہرحال وہ ان کی مہمان تھیں۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے شہر بانو نے انہیں خدا حافظ کہنا بھی ضروری سمجھا جس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شہر بانو کے دل کو گہرے ملال نے آن گھیرا۔ جو کچھ بھی ہوا، اچھا نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆

''تمہارے ابو نے میری اماں جان کی انسلٹ کی ہے۔ میں یہ بات زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ اگر تم اپنے والدین کو منا نہیں سکتی تھیں تو مجھے پہلے ہی بتا دیتیں میں کبھی اماں جان کو تمہارے گھر نہ بھیجتا۔ میں اپنی محبت کی خاطر اپنے والدین کو ذلیل نہیں کر سکتا۔'' شہریار بے حد غصے میں تھا۔ سارہ بیڈ پر بیٹھی موبائل فون کان سے لگائے بے حد پریشان تھی۔ خود اسے باپ سے ایسے صاف جواب کی امید نہیں تھی۔ وہ تو خود ابھی تک گہرے شاک میں تھی۔

''یقین کرو شہریار مجھے خود علم نہیں تھا کہ ابو یوں انکار کر دیں گے۔ میں خود شاکڈ ہوں کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ اگر مجھے ان کے انکار کے متعلق ذرا سا بھی شک ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی بتا دیتی...... میں بہت شرمندہ ہوں شہریار۔'' وہ لب کاٹتے ہوئے بولی۔ اسے شہریار کی آکورڈ پوزیشن کا اندازہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ کتنی دقتوں سے شہریار نے اپنے والدین کو منایا تھا۔

''تمہاری شرمندگی میرے کسی کام کی نہیں ہے سارہ۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں کہ اماں جان اور بابا جان کے سامنے میں کس قدر شرمندہ ہوا ہوں۔ پہلی دفعہ مجھے اپنے فیصلے پر پچھتاوا ہوا ہے۔ تمہارے ابو شاید میری ماں کی حیثیت اور مرتبے سے آگاہ نہیں ہیں۔ اب تم سوچ لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو مجھے مجبوراً نتاشا سے شادی کرنی پڑے گی۔ اگر تم میں مجھے کھونے کا حوصلہ ہے تو بے شک اپنے باپ کے فیصلے پر سر جھکا دو ورنہ تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔ محبت حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی تو دینی پڑتی ہے۔'' شہریار کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ سارہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

''میں تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی شیری۔ میں تمہیں کسی اور کا ہوتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتی، میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔ شہریار سے جدائی کا تصور ہی اس کے لیے سوہانِ روح تھا۔ پہلی محبت کے رنگ کچے نہیں ہوتے۔

''ٹھیک ہے، اپنی بات پر قائم رہنا۔ صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔'' شہریار نے فون بند کر دیا۔ سارہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل کی تکلیف سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ اس نے انگلیوں کی پوروں سے اپنے آنسو صاف کیے۔ ہما دھیرے سے اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''امی ابو نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ کیا کمی ہے شہریار میں۔ انہوں نے ایک مرتبہ بھی میرے دل کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں عاقل، بالغ اور باشعور لڑکی ہوں۔ اپنی زندگی کو اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتی ہوں۔ مجھے میرے حق سے وہ کیسے محروم کر سکتے ہیں۔'' سارہ نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ہما نے اسے ترحم سے دیکھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا یوں جیسے اسے تسلی دے رہی ہو۔

''سارہ۔'' ماں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے پکارا۔ سارہ کی حالت دیکھ کر انہیں تکلیف ہو رہی تھی۔

''بیٹا اپنے ابو کو غلط مت سمجھو۔ انہوں نے جو فیصلہ کیا بالکل درست کیا ہے۔ ہم میں اور ان لوگوں میں بہت فرق ہے۔ رشتے ناتے اپنے جیسے لوگوں میں ہی کرنے چاہئیں ورنہ بعد میں بہت سے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔'' انہوں نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بہت رسان سے کہا۔

"اب وہ زمانہ نہیں رہا امی! اب ایسی باتوں کو اہمیت نہیں دی جاتی۔" سارہ نے انہیں ٹوک دیا۔

"بیٹا زمانے کی کچھ اقدار کبھی نہیں بدلتیں خصوصاً جب اُن کا تعلق عورت سے ہو۔" شہر بانو نے اِک ٹھنڈی آہ بھری۔

"شہر یار ایک پڑھا لکھا شخص ہے۔ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کس چیز کی کمی ہے اس میں...... میرے لیے اس نے اپنے بچپن کی منگنی توڑ دی اور آپ لوگوں نے ذرا میرے دل کا خیال نہیں کیا۔" سارہ کے آنسو ایک بار پھر بہنے لگے۔

"بعض پڑھے لکھے اور اعلیٰ خاندان کے لڑکے جاہلوں سے بھی بدتر ثابت ہوتے ہیں۔ جب وہ سالوں کا تعلق توڑ کر تمہاری طرف متوجہ ہو سکتا ہے تو تمہارے ساتھ بنا چند مہینوں کا تعلق توڑنے میں بھی دیر نہیں کرے گا۔ جس شخص نے اپنے خاندان کی عزت کی پروا نہیں کی وہ ہماری تمہاری عزت کی کیا پروا کرے گا۔ سارہ بیٹا دماغ سے سوچو گی تو تمہیں اپنے ابو کا فیصلہ اتنا غلط نہیں لگے گا۔" سارہ کی حالت دیکھ کر شہر بانو کا دل ڈوبنے لگا۔

"پلیز امی، مجھے ایسا لیکچر نہ دیں۔ ابو کی زیادتی کو یوں کم کرنے کی کوشش نہ کریں۔ شہر یار نے سب کچھ میری محبت میں کیا لیکن میں بھول گئی تھی کہ یہ معاشرہ عورت کو محبت کرنے کا حق نہیں دیتا لیکن آپ بھی ابو کو بتا دیجیے گا کہ میں شہر یار کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔" سارہ غصے سے کہتی بیڈ پر لیٹ گئی اور اپنے اوپر چادر تان لی۔ ہما اپنے بیڈ پر بیٹھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سارہ جذباتی طبیعت کی مالک تھی۔ اس لیے بہتر تھا کہ ابھی اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

شہر بانو کا دل بوجھل ہو گیا۔ وہ سست قدموں سے کمرے سے باہر آ گئیں۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ بیٹی کو سمجھانا آسان نہیں تھا۔ انہوں نے کچن میں جا کر قہوہ بنایا اور اپنے کمرے میں آ گئیں۔ اسفند یار بیڈ پر تکیے سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ یہ ان کی عادت تھی مطالعے کے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ شہر بانو نے قہوے کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی اور خود بیڈ کی پائنتی کی طرف آ کر بیٹھ گئیں۔

"سارہ بہت اپ سیٹ ہے۔ اس کے خیال میں ہم نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے۔" انہوں نے سر جھکائے ہوئے کہا۔ اسفند یار نے کتاب پر سے نظریں نہیں ہٹائیں۔ ان کے ماتھے پر گہری لکیریں ابھر آئیں۔

"سارہ نادان ہے، اپنا اچھا برا نہیں سمجھتی۔ وہ شہر یار کے خاندان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ وہ لوگ ہم لوگوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان کے ہاں عورت کو پیر کی جوتی سمجھا جاتا ہے۔ وہ لوگ عورت کی عزت کرنا نہیں جانتے صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عورت کی حیثیت بھیڑ بکری سے زیادہ نہیں۔ اگر یہ شادی ہو بھی جاتی ہے تو سارہ کو دکھ اور تکلیف کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ شادی کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ شادی غلط ہو جائے تو انسان کی ساری زندگی تباہ ہو جاتی ہے۔" اسفند یار نے سنجیدگی سے کہا۔ شہر بانو چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئیں پھر انہیں دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"آپ...... آپ شہر یار کے خاندان کو جانتے ہیں؟" اس سوال میں اِک تجسس تھا۔ اسفند یار کی آنکھیں یک دم سرخ ہو گئیں۔ ان کے چہرے پر اِک ان کہی سی داستان رقم تھی جسے شہر بانو پڑھنے سے قاصر تھیں۔

"ہاں...... اسی لیے میں نے بلا جواز انکار نہیں کیا۔ آپ سارہ کو سمجھائیں۔ نادان بیٹیاں ماں باپ کے لیے بڑی آزمائش بن جاتی ہیں۔ اسے علم ہونا چاہیے کہ ہم اس کے لیے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔" شہر بانو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اسفند یار نے قہوے کی پیالی اٹھا لی۔

"آپ جلد از جلد سارہ کے لیے کوئی معقول سا رشتہ دیکھیے۔ اب ہمیں اس کی شادی میں مزید دیر نہیں کرنی چاہیے۔" انہوں نے پیالی ہونٹوں سے لگاتے ہوئے حتمی لہجے میں کہا۔ شہر بانو نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ شوہر کی مزاج شناس تھی، جانتی تھیں کہ جب وہ کوئی بات حتمی اور قطعی انداز میں کہتے ہیں تو اس کے بعد کسی قسم کی بحث نہیں کی جا سکتی۔

رات گہری ہو رہی تھی لیکن سارہ کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ایسا بھی ہوتا ہے جب ذہن پر پریشانی کے بادل چھائے ہوں تو گہری اور کالی راتیں اپنے ساتھ نیند کی سوغاتیں نہیں لاتیں پھر آنکھوں میں رت جگے آ ٹھہرتے ہیں۔ سارہ بھی تکیے میں سر دیے ساری رات روتی رہی۔

☆☆☆

زائرہ بیگم پریشانی سے فون ملا رہی تھیں۔ صبح ہی انہیں زریاب کے فیل ہو جانے کی خبر ملی تھی۔ نہ جانے بورڈ والوں کو بے چارے زریاب سے کیا دشمنی تھی جو مسلسل تین سالوں سے اسے فیل کیے جا رہے تھے۔ صبح سے اب تک زائرہ بیگم بورڈ والوں کو ان گنت گالیوں سے نواز چکی تھیں۔

"ہیلو۔" فون زریاب نے اٹھا لیا تھا۔

"ہیلو زریاب بیٹا کیا حال ہے؟ بیٹا فیل ہونے کا غم بالکل دل پر مت لینا۔ ایف اے پاس نہ بھی ہوا تو کوئی بات نہیں، تم نے کون سا نوکری کرنی ہے۔" وہ اکلوتے بیٹے کی پریشانی کے خیال سے بولیں۔

"اوہو امی، میں پریشان نہیں ہوں۔ میں اتنی چھوٹی، چھوٹی باتوں کو دل پر نہیں لیتا۔ ویسے بھی میں نے کالج انجوائے کرنے کے لیے جوائن کیا تھا۔ پڑھائی کرنے کے لیے نہیں۔ آپ بس بابا جان کو سمجھا دیجیے گا اُن کے لیکچر سن کر میرا بی پی بڑھ جاتا

ہے اسی لیے تو میں گھر نہیں آتا۔" دوسری طرف سے زریاب نے بے پروائی سے کہا۔

"ہاں، ہاں ......تم فکر نہ کرو میں انہیں سمجھادوں گی۔ ارے پڑھائیاں تو وہ کریں جنہوں نے نوکریاں کر کے کنبے پالنے ہوں۔ میرا بیٹا تو زمینوں' جائدادوں والا شیر جوان ہے اسے پاس، فیل کے کاغذ سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم بے فکر ہو کر گھر آجاؤ۔ تمہارے بابا کو میں سنبھال لوں گی۔" زائرہ بیگم کے لہجے میں.... بے انتہا لاڈ اور محبت تھی۔

"نہیں امی میں ابھی تھوڑا ریلیکس کرنا چاہتا ہوں۔ میرا دوستوں کے ساتھ ناردن ایریاز جانے کا پروگرام ہے۔ تھوڑا گھوم پھر کر آؤں گا تو طبیعت فریش ہو جائے گی۔ آپ بس میرے اکاؤنٹ میں کچھ رقم بھجوا دیں۔" اس نے مطلب کی بات کی۔ ماں کی اندھی محبت سے آگاہ تھا اس لیے کوئی فکر نہیں تھی۔

"ہاں، ہاں میں پیسے بھجوا دوں گی۔ خوب گھومنا پھرنا۔ پیسے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی تو ہنسنے کھیلنے کے دن ہوتے ہیں واپسی پر گھر کا چکر لگانا بہت دن ہو گئے ہیں تمہیں دیکھے ہوئے۔" ان کے لہجے سے ممتا چھلک رہی تھی۔

"ٹھیک ہے امی، واپسی پر گھر کا چکر لگاؤں گا۔" خلافِ توقع وہ آسانی سے مان گیا۔ زائرہ بیگم خوشی سے نہال ہو گئیں۔

"اچھا بیٹا اپنا خیال رکھنا اور مجھے فون کرتے رہنا۔" ان کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ زریاب نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اکلوتے بیٹے سے ماں کی محبت انوکھی نہیں تھی لیکن جس طرح زیادہ میٹھا جسم کو بیماری لگا دیتا ہے اسی طرح زیادہ لاڈ پیار اولاد کو نکما بنا دیتا ہے۔

☆☆☆

شانزے برآمدے میں جھاڑو لگا رہی تھی جب وسیع و عریض پورچ میں سکندر شاہ کی گاڑی آ کر رکی۔ شانزے کے ہاتھ رک گئے وہ سر پر دوپٹا ٹھیک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سکندر علی شاہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے قریب آگئے۔ انہوں نے اچٹتی نظر اس پر ڈالی۔ گرد آلود پرانا لباس، ہاتھ میں تھاما جھاڑو، چہرے پر گرد کی تہ تلے چھپی اِک خاموش سی اداسی۔ ان کے قدم بے اختیار رک گئے۔ یہ لڑکی جو نوکرانیوں کے حلیے میں جھاڑو تھامے کھڑی تھی اس حویلی کی بڑی بیٹی تھی۔ شانزے سکندر شاہ۔ ملک کے بڑے زمین دار اور نامور سیاست داں کی بیٹی تھی۔

شانزے نے آہستہ سے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سر ہلا کر نظریں چرالیں اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اس کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ اگلے ہی پل وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ ابھی اسے بہت سے کام کرنا تھے۔ سکندر علی شاہ اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ صوفے پر بیٹھی زائرہ بیگم انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اپنے لاڈلے کے کارنامے کی خبر تو آپ کو مل ہی گئی ہو گی؟" وہ طنزاً بولے۔ بیٹے کی نالائقی اور بے پروائی سے تنگ آگئے تھے۔

"ارے آپ بیٹھیں تو سہی، دیکھیے ہر بچے کا اپنا مزاج ہوتا ہے کچھ بچوں کا ذہن پڑھائی میں تیز ہوتا ہے کچھ کا نہیں ہوتا۔ اس بات کو والدین کو سمجھنا چاہیے۔" انہوں نے فوراً بیٹے کی وکالت کی۔ سکندر شاہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے' جانتے تھے اس موضوع پر بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

"گھر میں ملازموں کی کمی ہو گئی ہے کیا؟" انہوں نے سائڈ ٹیبل کے قریب گھڑی اتارتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" زائرہ بیگم ناسمجھی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"باہر شانزے جھاڑو دے رہی تھی۔ کچھ بھی

ہے یہ اسے زیب نہیں دیتا۔" انہوں نے نظریں پھیرتے ہوئے کہا۔ اُن کے لہجے میں عجیب سی ناراضی تھی۔

زائرہ بیگم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ شانزے کا ذکر یونہی ان کی طبیعت مکدر کر دیتا تھا۔ وہ بیڈ روم فریج کھول کر گلاس میں جوس ڈالنے لگیں۔ آج کا دن ہی برا تھا کہ شوہر کا موڈ اس قدر خراب ہو گیا تھا۔

"بیٹیاں گھر کے کام کاج کرتی اچھی لگتی ہیں۔ اس عمر میں لڑکیوں کو مصروف رہنا چاہیے ورنہ فارغ بیٹھ کر دماغ میں عجیب و غریب خیالات آتے ہیں۔ نتاشا کی بات دوسری ہے وہ پڑھائی والی بچی ہے۔ پڑھائی سے فارغ ہو گی تو کام کاج میں ہاتھ بٹائے گی۔" زائرہ بیگم نے شوہر کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر کہا۔ ساتھ ہی جوس کا بھرا ہوا گلاس اُن کی طرف بڑھایا۔ سکندر شاہ صوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ نظریں کچھ سوچتی ہوئی سی تھیں۔

"آپ کو خبر تو مل ہی گئی ہو گی کہ شہریار جہاں شادی کرنا چاہتا تھا وہاں سے انکار ہو گیا۔ بھائی صاحب اور بھابی نے بیٹے کی ضد مان کر منہ کی کھائی۔ اس لڑکی کا باپ عقل مند نکلا۔ میں نے تو بھابی سے پہلے ہی کہا تھا کہ بیٹے کی بات مان کر وہ رسوا ہی ہوں گی۔ شہریار کو بھی سمجھ آ گئی ہو گی کہ شادی بیاہ بچوں کا کھیل نہیں ہوتے۔" زائرہ بیگم نے فوراً بات کا موضوع بدل ڈالا۔ سکندر شاہ گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگے۔

"اس میں بھائی صاحب کا قصور نہیں ہے۔ اولاد جوان ہو جائے تو اپنی من مانی کرنے لگتی ہے۔ ماں باپ بوڑھے ہو جائیں تو بے بس ہو جاتے ہیں۔"

"آپ تو اب بھی انہی کی طرف داری کریں گے۔ اگر وہ شہریار پر زبردستی کرتے تو اس کی مجال نہیں تھی کہ نتاشا کے سوا کسی کا نام لیتا۔ بہر حال اب آپ جلد ہی دونوں کی شادی کی بات کر دیجیے ایسا نہ ہو کہ پھر کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ ایک ہی بیٹی ہے ہماری اس کی خوشی سے بڑھ کر ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں۔" زائرہ بیگم نے اُن کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

سکندر شاہ نے عجیب سی نظروں سے بیوی کو دیکھا۔

"ہماری ایک نہیں دو بیٹیاں ہیں اور آپ یہ بات ہمیشہ بھول جاتی ہیں۔" وہ رکھائی سے بولے اور کرسٹل کا جوس سے بھرا ہوا گلاس میز پر رکھ دیا۔

"ہماری نہیں، آپ کی دو بیٹیاں ہیں۔ میری صرف ایک بیٹی ہے اور یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے۔" زائرہ بیگم کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اُن کے لہجے میں غصہ تھا، ناگواری تھی، نفرت تھی۔ سوکن کی اولاد کو برداشت کرنا ایک عورت کے لیے بہت بڑا امتحان ہوتا ہے۔ زائرہ بیگم کا بھی یہی حال تھا جب، جب شانزے کو دیکھتیں ان کا پورا وجود نفرت کی آگ میں جلنے لگتا۔ شانزے کا حسین چہرہ ان کے دل کو پل، پل خاکستر کرتا۔ ان کا بس چلتا تو شاید وہ شانزے کا وجود ہی ختم کر دیتیں۔ حسد اور نفرت یکجا ہو جائیں تو انسان کی زندگی سے سکون ختم ہو جاتا ہے اور بے سکون انسان خود کو بھی تباہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی۔

☆☆☆

یونیورسٹی کا یہ گوشہ نسبتاً سنسان تھا۔ وہ دونوں سکھ چین کے گھنے پیڑ تلے ایک سنگی بینچ پر بیٹھے تھے۔ شہریار کے چہرے پر غصہ تھا۔ سارہ نظریں جھکائے اپنے بیگ کے اسٹریپ پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا لیکن وہ از حد شرمندہ تھی۔ اس نے کاسنی رنگ کی لمبی فراک اور چوڑی دار پاجامہ پہن رکھا تھا۔ اس کا کاسنی دوپٹا ہوا سے لہرا رہا تھا۔ لمبے بالوں کو آگے سے کلپ لگا کر پشت پر کھلا رکھا تھا۔ وہ آج بہت پیاری لگ رہی تھی لیکن آج شہریار کی نظروں میں اس کے لیے ستائش نہیں تھی وہ آج بہت ہی عجیب موڈ میں تھا۔

''یقین کرو مجھے ابو کے انکار کے متعلق شک بھی نہیں تھا۔ مجھے تو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آرہی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔ وہ تو کبھی سخت گیر قسم کے باپ نہیں تھے۔'' وہ نظریں جھکائے آہستہ سے بولی۔ اسے شہریار کا رویہ تکلیف دے رہا تھا۔ انسان جس سے محبت کرتا ہو اس کے رویوں کو بہت شدت سے محسوس کرتا ہے۔

''تمہارے ابو ایک ڈکٹیٹر ہیں۔ اب وہ زمانہ نہیں رہا جب لڑکیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح جس کھونٹے سے چاہا باندھ دیا جاتا۔ تم کوئی ان پڑھ اور بے شعور لڑکی نہیں ہو، عاقل اور بالغ ہو۔ تمہیں اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا پورا حق ہے جو حقوق تمہیں قانون اور شریعت دیتی ہے کسی کو انہیں غصب کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ تمہیں اپنے لیے لڑنا پڑے گا سارہ۔ حقوق کی جنگ بہت ہمت اور حوصلہ مانگتی ہے۔ تمہیں اپنے جائز حقوق کی بقا کے لیے قدم اٹھانا پڑے گا۔'' شہریار کا لہجہ پُرجوش ہوگیا۔ سارہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں امی سے دوبارہ بات کروں گی۔'' اس نے ہوا کے باعث اپنے لہراتے بالوں کو ایک ہاتھ سے سمیٹا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کبھی تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ بوڑھے لوگوں کی ضد میں بچپنا ہوتا ہے۔ وہ کسی بات پر اَڑ جائیں تو مشکل سے ہی مانتے ہیں۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ میرے والدین میری شادی نتاشا سے کرنا چاہتا ہیں۔ اگر وقت گزر گیا تو مجھے مجبوراً نتاشا سے شادی کرنی پڑے گی۔'' شہریار کی بات پر سارہ بری طرح گھبرا گئی۔ وہ شہریار کو کھونے کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ وہ محبت کے جنگل میں قدم رکھ چکی تھی اسے واپسی کا راستہ بھول چکا تھا۔

''تمہارے ابو تمہاری شادی زبردستی کسی مڈل کلاس اسکول ماسٹر یا فیکٹری ورکر سے کردیں گے جہاں تم ساری زندگی روتے، ترستے ان چاہے رشتوں کا بوجھ اٹھاتے گزار دوگی۔ زندگی میں محبت نہ ہوتو زندگی میں کوئی رنگ باقی نہیں رہتا۔ اپنی زندگی کو یوں دوسروں کی انا کی بھینٹ مت چڑھاؤ سارہ۔ میں تمہیں اپنی زندگی ضائع نہیں کرنے دوں گا۔'' شہریار نے اِک ہولناک نقشہ کھینچا۔ سارہ کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہوگئیں۔ وہ بے خیالی میں شاخ پر بیٹھے پرندوں کو دیکھنے لگی۔

''میں...... میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی شیری۔'' سارہ کو اپنی ہی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسا رکھنا ہوگا۔ سارہ میں جیسا کہوں تمہیں ویسا ہی کرنا ہوگا ورنہ ہمارے راستے آج سے ہی جدا ہوجائیں گے۔'' شہریار کے لہجے میں قطعیت تھی۔ سارہ نے دہل کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی تھی۔

''ایسا آئندہ مت کہنا...... میرا اور تمہارا راستہ کبھی جدا نہیں ہوسکتا شیری۔'' سارہ کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ کوئی دردِ دل کے درد سے سوا نہیں ہوتا۔

''ہم اپنی محبت کو ٹریجڈی میں بدلنے نہیں دیں گے۔ اٹھو میرے ساتھ چلو۔'' شہریار اس کا ہاتھ تھام کر کھڑا ہوگیا۔

''کہاں؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہم آج ہی کورٹ میرج کریں گے اور پھر وقت آنے پر گھر والوں کو بتادیں گے۔ اس طرح میرے اور تمہارے گھر والے ہماری کہیں اور شادی نہیں کرسکیں گے اور ہماری بات ماننے پر مجبور ہوجائیں گے۔''

''کورٹ میرج؟'' سارہ کے لبوں نے بے آواز جنبش کی۔ لمحے بھر کو اس کا دل بڑی زور سے دھڑکا۔ ہوا تیز ہوگئی اس کے بال اور اس کا کاسنی

آنچل تیز ہوا کے باعث اڑنے لگے تیز ہوا شاید اس کے قدم روکنا چاہتی تھی۔

''ڈرو مت سارہ، مجھ پر بھروسا رکھو۔ ہمارے ملن کا یہی ایک راستہ ہے۔ وقت سے پہلے کسی کو پتا نہیں چلے گا۔ میں نے سب انتظام کرلیا ہے۔ جلدی چلو ہمارے پاس وقت کم ہے۔'' وہ شہریار نہیں کوئی جادوگر تھا جس نے محبت کا اسم پڑھ کر اس کے دل کو غلام بنالیا تھا۔ وہ بے آواز قدموں سے اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی۔ دل سرکش ہوجائے تو ذہن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

☆☆☆

جہانگیر شاہ کی سفید حویلی میں آج جشن کا سماں تھا۔ ڈھول باجے والے زور شور سے ڈھول بجارہے تھے۔ سارے گاؤں میں مٹھائیوں کے ٹوکرے تقسیم کیے جارہے تھے۔ آج رات کا کھانا حویلی کی طرف سے دیا جانا تھا اور یہ جشن بھلا کیوں نہ ہوتا۔ جہانگیر شاہ کا اکلوتا بیٹا عماد ایم بی اے پاس کرکے گاؤں آیا تھا۔ اس نے اعلیٰ نمبروں سے شاندار کامیابی حاصل کی تھی۔ جہانگیر شاہ اور نبیلہ شاہ کے لیے آج بڑا دن تھا۔

عماد اور ازمیر کھلے میدان میں رائڈنگ کررہے تھے۔ عماد سفید براق گھوڑے پر سوار تھا جس کی ریشمی جلد دھوپ میں چمک رہی تھی۔ ازمیر کا گھوڑا سیاہ رنگ کا تھا۔ دونوں ہی اعلیٰ نسل کے قیمتی گھوڑے تھے۔

''آج تو آپ وی آئی پی ہیں۔ سارے گاؤں میں جشن کا سماں ہے بس چراغاں ہونے کی کمی رہ گئی ہے۔'' ازمیر نے عماد کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو جب تمہارا ایم بی اے مکمل ہوجائے گا تب بھی ایسا ہی جشن ہوگا۔'' عماد بے اختیار مسکرایا اور جمپ لگا کر گھوڑے سے اتر آیا۔ ازمیر ہنسنے لگا۔

''بابا جان ٹھیک کہتے ہیں وہ مرد ہی کیا جسے

گھوڑوں کا شوق نہ ہو۔'' عماد نے اپنے سفید گھوڑے کی پشت پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''اب آپ کے کیا ارادے ہیں، گاؤں واپس آئیں گے یا شہر میں ہی رہیں گے؟'' ازمیر بھی گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔

''گاؤں واپس آؤں گا۔ اماں جان اور بابا جان کے ساتھ رہوں گا۔ اُن کی امیدوں پر پورا اترنا بھی میرا فرض ہے۔'' دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''اب تو آپ کے سہرے کے پھول بھی کھلنے والے ہوں گے۔ ماموں جان اب آپ کی شادی میں دیر نہیں کریں گے۔'' ازمیر نے اندازہ لگایا۔

''ہوں، کیا خبر سہرے کے پھول کھل بھی گئے ہوں۔'' عماد شرارت سے مسکرایا۔

''ہائیں کیا مطلب...... یعنی آپ نے لڑکی پسند بھی کرلی۔ بڑے چھپے رستم نکلے آپ تو...... کون ہیں ہماری ہونے والی بھابی، کہاں رہتی ہیں، کیا کرتی ہیں؟'' ازمیر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں نے نہیں بابا جان نے پسند کی ہے اور چند دن پہلے ہی اپنی خواہش کا مجھ سے اظہار کیا ہے۔ میں اُن کی خوشی میں خوش ہوں۔ وہ میرے بابا ہیں مجھے ان کے انتخاب پر اعتراض نہیں ہے۔'' عماد گھوڑے کی باگ تھامے رسانیت سے بولا۔

''بڑے فرمانبردار ہیں آپ۔ ایسی تابعدار قسم کی اولادیں تو اب نایاب ہوگئی ہیں۔ بہت مبارک ہو آپ کو، نام تو بتائیں۔'' ازمیر بڑا متاثر ہوگیا۔

''وقت آنے پر پتا چل جائے گا۔'' عماد سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اچھا جی، سرپرائز ہے۔ چلیں اس سرپرائز کے کھلنے کا انتظار کریں گے۔'' سامنے ہی سفید حویلی کا گیٹ تھا۔ وہ دونوں سائیس کے حوالے گھوڑوں کو کرکے اندر آگئے۔

سفید حویلی اپنے نام کی طرح خوب صورت

اور روشن تھی۔ سفید پتھروں سے بنی یہ حویلی آرکیٹکچر کا حسین شاہکار تھی۔ سنگ مرمر کے مرمریں فرش، سرسبز باغیچے، اونچے ستون اور منقش محرابی دروازے اس کی خاصیت تھے۔ قدیم وجدید فنِ تعمیر کا شاہکار یہ حویلی ہر آنکھ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا فن رکھتی تھی۔

وہ دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے تو سامنے ہی شیشے کی چوکور ڈائننگ ٹیبل کے گرد جہانگیر شاہ، نبیلہ اور صائمہ بیٹھے تھے۔

''آگئے میرے بچے۔ ہم لوگ تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' صائمہ نے محبت سے کہا۔ ڈائننگ ٹیبل پر دنیا جہان کے لوازمات رکھے تھے۔ وہ دونوں کی پلیٹیں ان لوازمات سے سجانے لگیں۔

''آؤ میرے شیر جوانوں کچھ پیٹ پوجا کرلو، صبح سے نکلے ہوئے ہو، ہوگئی رائونڈنگ؟'' جہانگیر شاہ انہیں دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

''جی بابا صاحب، گاؤں کی رونقیں دیکھنے رک گئے تھے۔'' عماد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اب تو عماد کی شادی ہوجانی چاہیے۔ شادی پر اس سے بڑا جشن ہوگا۔'' صائمہ نے دونوں کے آگے پلیٹیں رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک کہا امی آپ نے۔ یہ تو عماد بھائی نے مجھے کچھ دیر پہلے ہی بتایا ہے کہ ماموں جان نے اُن کے لیے لڑکی بھی پسند کرلی ہے اور دیکھیں ہمیں تو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوئی۔'' ازمیر منہ میں گلاب جامن رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ نبیلہ نے چونک کر حیرت سے جہانگیر کو دیکھا۔ عجیب بات تھی انہیں بھی اس بات کی خبر نہ ہوئی تھی۔

''کیا یہ سچ ہے؟'' انہوں نے باری باری اُن دونوں کے چہرے دیکھے۔ عماد نے نظر چرالی۔ جہانگیر شاہ نے پانی کا گلاس لبوں سے لگالیا۔

''اگر یہ بات سچ تھی تو اتنی رازداری رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔'' نبیلہ کو یک دم ہی اس رازداری پر غصہ آنے لگا۔

''ارے ایسا بھی کیا سرپرائز کہ ممانی جان تک کو نہیں پتا۔'' ازمیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔

''میں نے عماد کے لیے ایک لڑکی پسند کی ہے۔ سب سے پہلے اسی سے ذکر کیا کہ اس کا عندیہ لے لوں۔ بعد میں سب کو بتا دیا جائے گا۔ شکر ہے میرے بیٹے نے میرا مان رکھ لیا۔'' جہانگیر شاہ نے فخر سے بیٹے کو دیکھا۔

''اچھا کون ہے وہ لڑکی۔ آپ مجھ سے تو ذکر کرتے۔'' نبیلہ نے تجسس سے پوچھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔

''ہاں بھائی صاحب، اب تو عماد نے بھی ہاں کہہ دی ہے اب آپ بھی بتانے میں دیر نہ کیجیے۔ آج تو واقعی بڑی خوشی کا دن ہے۔'' صائمہ نے بے تابی سے کہا۔

''میں نے بہت برس پہلے یہ عہد کیا تھا کہ اس گھر میں ایک ہی لڑکی بہو بن کر آئے گی اور وہ شانزے سکندر شاہ ہی ہوگی۔'' جہانگیر شاہ نے گویا دھما کا کیا۔ تینوں نفوس کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''شانزے سکندر شاہ؟'' نبیلہ کے ہونٹوں سے بے اختیار نکلا۔ نبیلہ نے بے اختیار صائمہ اور ازمیر کی طرف دیکھا وہ بھی حیرانی سے جہانگیر کو دیکھ رہے تھے جبکہ عماد بالکل مطمئن بیٹھا تھا۔

☆☆☆

''سکندر شاہ کبھی نہیں مانے گا، یہ رشتہ ہونا ناممکن ہے جہانگیر، آپ کی خواہش اپنی جگہ لیکن انسان کی ساری خواہشیں تو پوری نہیں ہوتیں اور پھر عماد کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔'' نبیلہ نے جہانگیر شاہ کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ رات گہری ہوچکی تھی لیکن آج شاید سفید حویلی کے کسی فرد کے نصیب میں نیند نہیں تھی۔ کھڑکی سے نظر آتا چاند پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا، ستاروں کی چمک

آسمان کا حسن بڑھا رہی تھی۔

جہانگیر شاہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سگار سلگ رہا تھا۔

''عماد کے لیے بے شک لڑکیوں کی کمی نہیں ہے لیکن میرے لیے کوئی لڑکی شانزے نہیں ہوسکتی۔ ابھی کوئی بھی اندازہ لگانا قبل از وقت ہے، ہمیں سکندر سے بات کرنی ہوگی، برسوں کی دشمنی اسی طرح ختم ہوسکتی ہے ویسے بھی دشمنیاں انسان کو کچھ نہیں دیتیں۔ میں نے ایک عمر کے تجربے سے یہی سیکھا ہے...... اس کے لیے اگر سکندر شاہ نے کوئی بھی شرط رکھی تو ہمیں منظور ہوگی۔'' وہ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیتے ہوئے بولے تھے۔

''یہ آپ کا جذباتی فیصلہ ہے جہانگیر! سکندر شاہ آپ کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور کوئی شخص اپنے دشمن کو اپنی بیٹی کا رشتہ نہیں دیتا۔'' نبیلہ بولیں جنہیں اس رشتے میں سو طرح کی قباحتیں نظر آرہی تھیں۔

''دشمنی ختم بھی کی جاسکتی ہے اور ہم اسے ختم کرنے میں پہل کریں گے۔ میں نہیں چاہتا دشمنیوں کا زہر ہماری نسلوں کو بھی متاثر کرے۔ کسی کو تو پہلا قدم اٹھانا پڑتا ہے اور پہلا قدم میں اٹھانے کو تیار ہوں۔'' جہانگیر شاہ کے لہجے میں عزم تھا۔ نبیلہ کے چہرے پر کشمکش کے آثار ابھر آئے۔ انہیں یہ بیل منڈھے چڑھتی ہوئی نظر نہیں آرہی تھی۔ نہ جانے جہانگیر شاہ کو کیا ہوگیا تھا وہ تو کبھی یوں جذباتی فیصلے نہیں کرتے تھے۔

''سکندر شاہ سے بات کرنا شیر کی کچھار میں سر ڈالنے کے مترادف ہے۔'' انہوں نے خفگی سے کہا۔

''تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟ یہ میرا فیصلہ ہے اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جہانگیر شاہ اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔'' جہانگیر شاہ کے لہجے میں سختی ابھر آئی۔ نبیلہ خاموش ہوگئیں، انہیں علم تھا کہ اب واقعی جہانگیر شاہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ انہیں شانزے سے کوئی بیر نہیں تھا وہ تو بس سکندر شاہ سے خوفزدہ تھیں۔ سکندر شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ فضا میں دھواں بڑھنے لگا تو وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

☆☆☆

سفید حویلی میں رات کے اس پہر خاموشی کا راج تھا۔ ازمیر چپکے سے صائمہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں لیمپ جل رہا تھا۔ کھڑکی کے پردے کھلے ہوئے تھے جہاں سے چاندنی چھم چھم کر کے اندر آرہی تھی۔

''آپ ابھی تک سوئیں نہیں امی؟'' وہ اُن کے پیروں کی طرف بیٹھ گیا۔ صائمہ کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں۔ وہ دقت سے مسکرائیں۔

''نیند نہیں آرہی تھی بیٹا! تم ابھی تک کیوں نہیں سوئے...... صبح بھی سویرے ہی اٹھ گئے تھے۔'' انہوں نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے بھی آپ کی طرح رت جگے کا مرض لاحق ہوگیا ہے۔'' وہ ان کے پیر دباتے ہوئے مسکرایا۔

''آپ ماموں جان کے فیصلے کے متعلق سوچ رہی ہیں ناں! یقین کریں، مجھے ان کے فیصلے سے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ بتا نہیں سکتا۔'' ازمیر نے صائمہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''سکندر شاہ کبھی نہیں مانے گا۔'' وہ آہستہ سے بولیں۔

''اس کی ایسی کی تیسی...... وہ کوئی خدا نہیں ہے جو فیصلوں پر آخری مہر لگاتا ہے جو لوگ زمین پر خدا بن جاتے ہیں ان کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے۔ ہم بھی دیکھ لیں گے کہ وہ کیا کرلے گا۔'' ازمیر نے غصے سے کہا۔ صائمہ خاموشی سے کھڑکی کے پار بکھرتی چاندنی کو دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں گہری اداسی تھی۔

''سکندر شاہ سے مت ڈریں امی! وہ کوئی

عفریت نہیں ہے عام انسان ہے اور عام انسان سے کیا ڈرنا۔'' ازمیر نے انہیں تسلی دی۔

''تمہیں اس کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے ازمیر...... عام انسان پر جب طاقت کا نشہ چڑھ جائے تو اسے شیطان بنتے دیر نہیں لگتی...... شیطان کے کئی روپ ہوتے ہیں اکثر وہ انسان کے روپ میں پھرتا ہے۔'' صائمہ کی آواز بوجھل ہوگئی۔

''اوہو امی......! آپ فکر نہ کریں، سب ٹھیک ہوجائے گا، طاقت کا نشہ بھی ایک دن ٹوٹ جاتا ہے۔ دیکھیے گا عماد بھائی کی دلہن شانزے ہی بنے گی انشاء اللہ۔'' ازمیر نے صائمہ کے قریب بیٹھ کر انہیں اپنے کندھے سے لگالیا۔ صائمہ نے بیٹے کے شانے سے سر ٹکادیا۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے ان کی آنکھ سے نکلے اور گالوں پر پھیل گئے۔ چاندنی میں اداسی مدغم ہوگئی۔

''کاش کہ یہ خواب سچ ہوجائے۔'' اُن کے کراہتے دل نے بے ساختہ دعا کی۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا، افق پر رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ سارہ اپنے پسندیدہ جھولے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھی۔ ہلکے انگوری رنگ کے سوٹ میں ملبوس اس نے دوپٹا شانے کے ایک طرف اوڑھا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ جھولا ہلاتے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ شہربانو نے کچن کی کھڑکی سے اسے یوں اداس بیٹھے دیکھا تو ان کا دل ملال میں گھر گیا۔ چڑیا کی طرح چہچہاتی بیٹی یوں خاموشیوں کی نذر ہوگئی تھی، ان کے دل کو گہرے دکھ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو؟'' ہما بالوں کی دو چٹیا بنائے اس کے قریب آگئی۔ اس نے سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور چٹیا میں موتیے کے گجرے لپیٹے ہوئے تھے۔ یہ اس کی عادت تھی۔ موتیے کے پھول جمع کر کے گجرے ضرور بناتی تھی، انہیں کبھی کلائیوں میں تو کبھی بالوں میں لگالیتی۔ سارہ اسے پھول شہزادی کے نام سے چھیڑتی۔

''کیوں اب تم لوگوں کو میرے تنہا بیٹھنے پر بھی اعتراض ہے؟'' سارہ تو کاٹ کھانے کو دوڑی، ہما نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''ابو کو غلط مت سمجھو سارہ! میں نے امی سے بات کی تھی۔ انہوں نے کہا ابو شہریار کے خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ ٹھیک لوگ نہیں ہیں۔ اگر تمہاری شادی وہاں ہو بھی جاتی ہے تو وہ لوگ تمہاری زندگی کو جہنم بنادیں گے۔ جہاں عورت کی عزت نہ کی جاتی ہو اس خاندان میں رشتہ جوڑنا حماقت ہی ہوتا ہے۔'' ہما نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور جو امی میرے لیے رشتے تلاش کررہی ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ میری مرضی کے بغیر میرا رشتہ طے کردینا درست ہے کیا؟'' سارہ گویا پھٹ ہی پڑی۔ وہ اداسی سے موتیے کے پھولوں کے پاس اڑتی سفید تتلی کو دیکھنے لگی۔

''ابو کا خیال ہے اب تمہاری شادی کردینی چاہیے۔ تمہارا ذہن بھی بٹے گا اور تم اپنی نئی زندگی میں ماضی کے اس باب کو بھول جاؤ گی۔'' ہما نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ افق پر بکھرے رنگ اب مدھم ہورہے تھے، پرندوں کا ایک غول ان کے سر پر سے گزرا اور گھنے درختوں میں گم ہوگیا۔

''میری طرف سے امی، ابو کو بتادو کہ میں... شہریار کے سوا کسی سے شادی نہیں کرسکتی۔ یہ میری ضد نہیں میرا حق ہے اور اگر میں پچھتاؤں گی بھی تو اُن کے پاس کبھی نہیں آؤں گی اگر اس کا گھر میرے لیے جہنم بھی ہوگا تو مجھے وہ جہنم خوشی، خوشی قبول ہے۔'' سارہ کے لہجے میں انتہا درجے کی ہٹ دھرمی تھی۔

''سارہ! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو، ابو تمہارے دشمن تو نہیں ہیں، کیوں باقی سب کے ساتھ خود کو بھی

سزا دے رہی ہو۔ اب بھی کچھ نہیں بگڑا، واپس پلٹ آؤ سارہ...... یہ سفر لاحاصل ہے، اس کی کوئی منزل نہیں ہے۔'' ہما نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''میں اب واپس نہیں پلٹ سکتی ہما، واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچا۔'' سارہ کا لہجہ پراسرار ہوگیا۔

''کیا مطلب......؟'' ہما نے چونک کر اسے دیکھا، اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''میں نے اور شہریار نے کورٹ میرج کرلی ہے۔''

''سارہ......!'' وہ بلند آواز سے چیخی...... اسے سارہ سے اس انتہائی قدم کی توقع نہیں تھی۔ اسے شک گزرا اس کے کانوں نے جو سنا وہ جھوٹ ہے، مذاق ہے۔ ان کی طرف بڑھتے شہربانو کے قدموں کو تو جیسے زمین نے جکڑ لیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے زمین، آسمان گھومنے لگے۔ سرمئی شام گہرے اندھیرے میں بدل گئی۔ فلک سے رنگ غائب ہوگئے، پھولوں اور تتلیوں کا حسن گم ہوگیا۔ سارہ اور ہما نے پلٹ کر دیکھا تو دونوں ساکت ہوگئیں۔ شہربانو زرد پڑتے چہرے کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔

☆☆☆

دلاور شاہ صوفے پر بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان کی پیشانی پر شکنوں کا جال اُن کی پریشانی کا گواہ تھا۔ فرح بیگم اُن کے سامنے نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔

''تو یہ کارنامہ انجام دیا ہے آپ کے لاڈلے بیٹے نے۔'' ان کی آواز میں گہرا طنز تھا۔ فرح بیگم نے لمحے بھر کو آنکھیں بند کرلیں۔ بیٹے کے ہر غلط کام کی ڈانٹ انہی کو سننی پڑتی تھی۔

''اور اب وہ چاہتا ہے کہ ہم اس دو ٹکے کی لڑکی کو رخصت کروا کر لے آئیں۔ وہ کیا سمجھتا ہے ہم اس کے حکم کے غلام ہیں، اس نے ابھی ہمارا غصہ نہیں دیکھا۔ ہم سے غلطی ہوئی جو اسے شروع سے ڈھیل دیے رکھی ورنہ اپنی من مانی کرنے کی اسے جرأت نہ ہوتی۔'' دلاور شاہ نے غصے سے کہا۔ ان کے لہجے کا رعب مخاطب کو یونہی سہما دیتا تھا۔ ان کی آواز کی گرج میں سختی سی تھی۔

''وہ ہماری ہر شرط ماننے کو تیار ہے، میرا خیال ہے کہ ہمیں سادگی سے اس لڑکی کو رخصت کروا کر لانا چاہیے۔ بعد میں دیکھیں گے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ جوان بیٹا ہے، من چاہی عورت نہ ملی تو باغی ہوجائے گا اور پھر وہ کون سا اس حویلی کا حصہ بنے گی۔ حجرے کا ایک کمرا اسے دے دیا جائے گا۔ بیٹے کی خواہش بھی پوری ہوجائے گی اور ہمارا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔'' بیگم صاحبہ نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ دلاور شاہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئے۔

''ہوں...... ذرا صاحب زادے کو تو بلائیں۔'' انہوں نے سر اٹھا کر فرح بیگم کو دیکھا...... وہ شہریار کو بلا لائیں جو کاریڈور کے آخری سرے پر کھڑا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ بے حد نروس تھا، کچھ بھی تھا دلاور شاہ کا رعب ہی ایسا تھا جو سامنے والے کے چھکے چھڑا دیتا۔ شہریار کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ مؤدب سا دلاور شاہ کے سامنے کھڑا تھا۔

''جو قدم تم نے اٹھایا ہے ہمیں بالکل پسند نہیں آیا۔ تم نے اپنی مرضی کرلی اب آگے جو کچھ ہوگا ہماری مرضی سے ہوگا۔ وہ لڑکی صرف تمہاری بیوی ہوگی، ہم اسے اپنی بہو کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہم تمہارے ہر غلط عمل کا ساتھ دیں۔'' دلاور شاہ نے اس کی جھکی نظروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شہریار کے ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

''تین بندے جاکے اسے رخصت کروالائیں گے، وہ حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں آئے گی بلکہ حجرے کا ایک کمرا اسے دے دیا جائے گا۔ ہمارے خیال میں یہ اس کے لیے بہت ہے، لوگوں کو اگر

اوقات سے زیادہ مل جائے تو ان کی نیت میں فتور آجاتا ہے، اسے زیادہ سر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے اسے اوّل دن سے ہی اس کی اوقات میں رکھنا۔'' وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے طمطراق سے بیٹھے تھے۔ شہریار گن گن کر یہ گھڑیاں گزار رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اس خواہش کی اسے بھاری قیمت چکانا پڑے گی۔ ان کی باتوں پر اثبات میں سر ہلانے کے سوا اس کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''تم کبھی ہمارے سامنے اس کی یا اس کے خاندان کی وکالت نہیں کرو گے۔ ایک بات کا خیال رکھنا کہ ہمیں یا اس حویلی کے کسی فرد کو اس کی طرف سے کوئی شکایت نہ ہو ورنہ اگر ہم ایک بے حیثیت لڑکی کو اس حویلی میں جگہ دے سکتے ہیں تو اسے نکال کر باہر پھینکنا بھی ہمارے لیے مشکل نہیں ہوگا۔''

''جی بابا جان......'' شہریار نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ بے چینی سے اپنی پیشی ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت کافی تھا کہ... دلاور شاہ، سارہ کو یہاں لانے پر راضی ہوگئے تھے۔

''اور ایک آخری اور سب سے اہم بات......'' انہوں نے ہنکارا بھرا۔

''اس لڑکی کو ہم ایک شرط پر یہاں لے کر آئیں گے۔'' شہریار سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ فرح بیگم ابھی تک خاموشی سے بیٹھی تھیں۔ انہوں نے شہریار کو آنکھوں ہی آنکھوں میں شرط ماننے کا اشارہ کیا۔ دلاور شاہ نے شہریار کے آگے ایک اور شرط رکھی جسے اس نے چند لمحے سوچنے کے بعد قبول کرلیا۔ فرح بیگم اور دلاور شاہ کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ شہریار خوش تھا کہ اس کا کام بڑی آسانی سے ہوگیا۔ دلاور شاہ نے فرح بیگم کو فاتحانہ انداز میں دیکھا اور مسکرانے لگے۔ فرح بیگم نے بھی مسکراتے ہوئے چائے کی پیالی ہونٹوں سے لگالی۔

☆☆☆

گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ شہربانو کا رو رو کر برا حال تھا۔ بات ایسی تھی کہ جو چھپائی نہیں جاسکتی تھی۔ اسفندیار کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ انہیں سارہ سے اس حماقت اور خود غرضی کی امید نہیں تھی۔ سارہ وہ سارہ نہیں رہی تھی وہ تو ان کے لیے رسوائی بن گئی تھی۔ سارہ سب سے نظریں چرائے اپنے کمرے میں بند تھی۔ اسے رخصت کروانے، فرح بیگم، شہریار اور ایک ملازمہ آئے تھے.... شہربانو کا دل کٹا جا رہا تھا۔ سارہ کی شادی ایسے ہوگی انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ فرح بیگم اس کے لیے صرف ایک پرپل کلر کا فینسی سوٹ لائی تھیں، زیور کے نام پر کچھ نہیں تھا بلکہ انہوں نے تو ہما کو کسی قسم کا میک اپ کرنے سے بھی منع کر دیا تھا۔

''ہم نے لمبا سفر کرنا ہے اس لیے ابھی ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے خشک لہجے میں کہا۔ سارہ کے گھر سے جاتے وقت اسفندیار کمرے سے باہر نہیں نکلے......شہربانو نے روتے ہوئے اسے گلے لگایا۔ ہما نے نم آنکھوں سے اسے الوداع کہا۔ گھر سے نکلتے وقت سارہ کو عجیب سا احساس ہوا۔ کچھ کھو دینے کا احساس، اِک انجانے دکھ کی آگاہی، اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس نے آخری بار گھر کے آنگن اور آنگن کے ایک طرف بنے باغیچے پر نظر ڈالی جہاں اس کا فیورٹ آبنوسی لکڑی اور لوہے کا جھولا نصب تھا اور ہلکی ہوا کے باعث آہستہ آہستہ ہل رہا تھا۔ پھولوں کے گرد تتلیاں اسی طرح رقصاں تھیں، سرخ دیوار سے لپٹی سب بیلیں اسی طرح شاداب اور ہری بھری تھیں۔ بس وہ بدل گئی تھی، اس کی حیثیت بدل چکی تھی۔ اس کا دل بدل گیا تھا اور شاید اس کی قسمت بھی......سارہ کی رخصتی کیا ہوئی یوں لگتا تھا اس گھر سے ساری خوشیاں اور مسرتیں رخصت ہوگئیں۔

ملازمہ نے سارہ کو سفید چادر اوڑھادی یوں

کہ اس کا گھونگٹ نکال دیا۔ سارا راستہ وہ یوں سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی کسی نے اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو خاموشی سے نکلے اور اس کے گالوں پر پھسل گئے۔ نہ جانے کتنی دیر گزری، اس کی گردن درد کرنے لگی۔ سفر تمام ہوا تو اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ گاڑی وسیع و عریض پورچ میں آرکی۔ سامنے کی پُرشکوہ عمارت خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ فرح بیگم نے ملازمہ سے کچھ کہا تو وہ سارہ کا بازو تھام کر دائیں طرف بنی چھوٹی سی عمارت کی طرف چل دی۔ یہ چھوٹی سی عمارت حجرہ تھا جو حویلی سے متصل نہیں تھا بلکہ یہاں گاؤں سے آنے والے لوگوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ برآمدہ پار کرکے ملازمہ نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور سارہ کو لے کر اندر آگئی۔ سارہ نے فوراً چادر اتاری اور حیرانی سے کمرے کے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ بے حد سادہ سا کمرا جس میں مختصر سا سامان پڑا تھا۔ ایک ڈبل بیڈ اور دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز......ڈریسنگ ٹیبل کی جگہ ایک درمیانے سائز کا آئینہ دیوار میں نصب تھا۔ سارہ حیرانی کے عالم میں بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ کسی قسم کی آرائش تو ایک طرف۔ کمرے میں تو ضرورت کی چیزیں بھی نہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ملازمہ ایک ٹرے اٹھائے اندر آئی۔ اس نے ایک گلاس، پانی کا جگ، چائے کی پیالی اور بسکٹوں کی پلیٹ میز پر رکھی اور واپس چلی گئی۔ سارہ خاموشی سے میز پر پڑی چیزوں کو دیکھنے لگی۔ بھوک ہونے کے باوجود اس کا کوئی چیز کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کیا وہ اس حویلی میں دوسرے درجے کی شہری بن کر زندگی گزارے گی؟ اس کے ذہن میں سوالوں کی بازگشت ہونے لگی۔ حویلی میں اس کا استقبال... بے حد روکھے انداز میں کیا گیا تھا۔ اس نے ہتھیلیاں کھول کر اپنے مہندی سے پاک ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ کیسی دلہن تھی، جس کے ہاتھوں پر مہندی کا کوئی نقش نہیں تھا جس کے جسم پر سرخ لباس نہیں تھا، جو ہر قسم کے سنگار اور زیور سے مبرا تھی۔ سارہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اتنا تھک چکی تھی سو بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ شہریار ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنے پرس سے موبائل نکال کر اسے کال کی تو اس کا موبائل بند ملا۔ ویران کمرا، خالی در و دیوار اور روح کو گھائل کرتی تنہائی۔ سارہ کے دل کی حالت عجیب ہوگئی۔ دفعتاً شہریار دروازہ کھول کر اندر آیا۔ سارہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو......؟ ڈریسنگ روم کی الماری میں تمہارے کچھ کپڑے اور ضرورت کی چیزیں رکھی ہیں۔ چینج کرکے فریش ہو جاؤ۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سارہ نے شکوہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری شادی اس طرح ہوگی۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی۔

''ان حالات کے ذمے دار تمہارے ابو ہیں، وہ ضد نہ کرتے تو ہماری شادی بھی بہت دھوم دھام سے ہوتی۔'' شہریار کے لہجے میں طنز سمٹ آیا۔ سارہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ کیا ساری عمر وہ اپنے ابو کے حوالے سے طعنے سنتی رہے گی۔ اس کی نظریں ساکت ہوگئیں۔ بے حد عجیب سے احساس نے اس کے دل میں گھر کرلیا۔ وہ کوئی شکایت کرنے کی مجاز بھی نہیں تھی۔ قصور کسی کا بھی ہو، اسے احساس ہوگیا کہ سارے قصور اس کے ہی نکلیں گے۔ اسے شہریار کا چہرہ اس کی آواز اور اس کا لہجہ اجنبی لگ رہا تھا۔

''میرا بھی دل چاہتا تھا کہ تمہیں دلہن کی طرح سجا سنورا دیکھوں لیکن تمہارے گھر والوں کی وجہ سے یہ خواب تعبیر نہ پاسکا۔'' سارہ کو حیرت ہو رہی تھی ... اُس کا لہجہ کیسا ہوگیا تھا، اس میں طنز کی آنچ کیوں آنے لگی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔ شہریار نے

اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مہندی، چوڑیوں اور انگوٹھیوں سے خالی ہاتھ......

''تم آرام کرو، میں رات کو آؤں گا، کسی چیز کی ضرورت ہو تو سامنے دیوار پر لگی بیل بجا دینا، مجھے کچھ ضروری کام ہے، فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔'' اس نے سارہ کا ہاتھ ہولے سے دبایا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ اگر یہ اس کا اپنا گھر تھا تو وہ خود کو یہاں اجنبی کیوں محسوس کر رہی تھی۔ وہ بے دلی سے اٹھ کر ڈریسنگ روم میں آگئی۔ الماری میں چند ہلکے رنگوں کے جوڑے لٹکے تھے اور کچھ ضرورت کی اشیا پڑی تھیں۔ ہر چیز بے حد عام اور سادہ سی تھی۔ گویا اس گھر میں اس کی حیثیت کا تعین خود بخود ہو گیا تھا۔

☆☆☆

شہر جانے والا راستہ کچا پکا تھا، شہر جانے والی سڑک بھی کشادہ نہیں تھی، اس لیے جب سڑک پر ٹریفک زیادہ ہوتا تو گاڑی چلانے میں بڑی دشواری ہوتی تھی۔ ازمیر کو شہر پہنچنے کی جلدی تھی، وہ ریش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ جبھی ایک موڑ موڑتے ہوئے وہ سامنے سے آنے والی سیاہ پراڈو سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ ڈرائیور نے بے حد غصے کے عالم میں اسے دیکھا پھر شاید اسے پہچان کر کچھ بولنے سے باز رہا اگر ڈرائیور بر وقت گاڑی نہ سنبھالتا تو یقیناً بہت زبردست ایکسیڈنٹ ہوتا۔ پیچھے بیٹھے سکندر شاہ نے غصے کے عالم میں شیشہ نیچے کیا۔ ازمیر کی نظر سکندر شاہ پر پڑی تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''یہ سڑک ہے کوئی ریس کا میدان نہیں ہے جہاں تم اندھا دھند گاڑی چلاتے ہوئے آ رہے ہو، گاڑی چلانے کے کچھ اصول اور قوانین ہوتے ہیں۔'' سکندر شاہ اس پر برس پڑے۔ ازمیر نے بہت مشکل سے اپنے تاثرات کو کنٹرول کیا۔

''بجا فرمایا آپ نے، صرف گاڑی چلانے کے ہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں اصول اور قوانین ہوتے ہیں جنہیں شاید آپ نے کبھی اہمیت نہیں دی۔'' ازمیر نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شعلوں کی لپک تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟ بدتمیز، بے ادب، بڑوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے کیا؟ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری ...... بجائے اپنی غلطی ماننے کے ہم سے منہ ماری کر رہے ہو، جانتے بھی ہو کہ ہم کون ہیں؟'' سکندر شاہ تو بالکل آؤٹ ہو گئے، ایک اجنبی لڑکا ان سے سرِعام بدتمیزی کرے، انہیں یہ کہاں گوارا تھا...... گاؤں کے کسی فرد کی مجال نہ تھی کہ اُن سے آنکھ اٹھا کر بات کرتا...... نہ جانے یہ لڑکا کون تھا شاید کسی دوسرے گاؤں کا رہنے والا تھا کیونکہ شہر کی سڑک بہت سارے گاؤں کے راستے جوڑتی تھی۔ اس کی گاڑی اور حیثیت سے معلوم ہوتا تھا کہ کسی اونچے گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔

''ٹھیک اندازہ لگایا آپ نے، مجھے واقعی کسی نے تمیز نہیں سکھائی اس لیے میں تمیز نامی چڑیا سے ناواقف ہوں۔ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں مسٹر سکندر شاہ لیکن شاید آپ مجھے نہیں جانتے ورنہ بولنے سے پہلے ایک بار تو ضرور سوچ لیتے۔'' ازمیر نے اونچی آواز میں کہا اور زن سے گاڑی بھگا لے گیا۔ سکندر شاہ حیرت سے گنگ ہو گئے، نہ جانے کون سر پھرا لڑکا تھا۔ انہیں اس پر شدید غصہ آیا۔ اتنی جرأت، ایسی دیدہ دلیری، انہیں پہچاننے کے باوجود ایسی گستاخی کون کر سکتا ہے۔

''کون تھا یہ لڑکا، ہمیں اس کا اتا پتا چاہیے؟'' وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ بولے۔ ڈرائیور نے شیشے میں چور نظروں سے انہیں دیکھا۔

''وہ جی...... یہ ازمیر شاہ تھے، جہانگیر شاہ کے بھانجے......'' ڈرائیور ہکلایا۔

سکندر شاہ کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''ازمیر شاہ......'' ان کے ہونٹوں سے بے آواز یہ نام نکلا...... ازمیر شاہ کی گاڑی دھول اڑاتی دور ہوتی جا رہی تھی۔

''گاڑی اسٹارٹ کرلوں شاہ صاحب......؟'' ڈرائیور نے ڈرتے ڈرتے پوچھا...... وہ سکندر شاہ کی خاموشی سے خوفزدہ ہوگیا تھا۔

''ہوں...... حویلی میں کسی سے اس واقعے کا ذکر مت کرنا۔'' انہوں نے بارعب آواز میں حکم دیا۔ ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا اور زن سے گاڑی آگے لے گیا۔ سکندر شاہ کی پیشانی پر گہری لکیروں کا جال بچھ گیا تھا۔ تیزی سے گزرتے سب منظر دھندلے ہوگئے...... ازمیر نے سچ کہا تھا اگر وہ جانتے کہ گاڑی میں ازمیر شاہ بیٹھا ہے تو شاید...... اُن کی سوچ ماؤف ہوگئی...... باہر کے سارے منظر دھول مٹی میں گم ہوگئے۔ ان کے ذہن میں ایک ہی نام کی بازگشت ہورہی تھی...... ازمیر شاہ...... ازمیر شاہ...... انہوں نے آنکھیں بند کرکے سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔

☆☆☆

سارہ آئینے کے سامنے کھڑی بالوں میں برش کررہی تھی۔ ہلکے نیلے رنگ کا سادہ سا سوٹ پہنے وہ ہر قسم کے ہار سنگار سے پاک تھی۔ شہریار اس کے پاس کچھ دیر کے لیے آتا اور پھر سارا سارا دن کے لیے غائب ہوجاتا۔ اسے یہ شادی ایک قید کی طرح لگتی۔ کمرے میں اس کی دلچسپی کا کوئی سامان نہیں تھا۔ شہریار کی محبت اور وعدے رات کے اندھیرے میں زندہ ہوتے اور دن کی روشنی میں دم توڑ دیتے۔ سارہ کا سارا دن یوں خاموشی سے بیٹھے بیٹھے گزر جاتا وہ ابھی تک حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں گئی تھی۔ ابھی شادی کو وقت ہی کتنا گزرا تھا کہ اس کے خوابوں کے عکس ماند پڑ گئے۔ وہ بے خیالی میں اپنے عکس کو دیکھے جا رہی تھی کہ باہر سے کسی نے دروازہ بجایا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک لڑکی دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ اس کے ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔ یوں تو کھانا ہمیشہ سوہائی ہی لاتی تھی، اس لڑکی کو اس نے پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ چند لمحے تو سارہ اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پائی۔ گوری رنگت، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں اور متناسب سراپا اس کے چہرے پر بہت معصومیت اور بھولپن تھا۔

''اتنی حسین نوکرانی......'' سارہ کو پہلا خیال یہی آیا۔ پرانے اور بدرنگ کپڑوں میں بھی اس کا حسن چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور سارہ کو دیکھنے لگی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' سارہ نے بے اختیار پوچھا۔

''شانزے......'' اس کے گلابوں جیسے ہونٹوں سے نکلا۔

''شانزے میں کچھ دیر کے لیے باہر جانا چاہتی ہوں، یہاں میرا دم گھٹ رہا ہے۔'' سارہ کو کھانے کی بالکل خواہش نہیں تھی۔ اس لیے اس نے ٹرے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ شانزے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اسے ساتھ لے کر حویلی کی پچھلی طرف آگئی۔ یہاں بے حد خوب صورت سا باغ تھا۔ کیاریوں میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے۔ کونے میں اِک حوض بنا ہوا تھا۔ سارہ کو کھلی فضا میں آکر یک دم بڑی خوشگواریت کا احساس ہوا۔ وہ حوض کے قریب کھڑی ہوگئی اور پانی میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔

''تم اس حویلی میں کب سے ہو؟''

''بچپن سے، میں تو یہیں پیدا ہوئی تھی۔'' شانزے کو یہ سوال بڑا عجیب سا لگا۔

''اچھا...... کیا کیا کام کرتی ہو؟'' سارہ نے چند پھول توڑ کر پانی میں بہائے۔

''سب کام کرلیتی ہوں۔'' شانزے سر جھکا کر بولی۔

''تم نے ثناشا کو تو دیکھا ہوگا۔ کیسی ہے وہ؟ دیکھنے میں کیسی لگتی ہے؟'' سارہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر سوال کیا۔

''خوب صورت ہے۔'' شانزے نے مختصراً جواب دیا۔

سارہ پانی کی سطح پر تیرتے سرخ اور سفید پھولوں کو دیکھنے لگی۔

''ہوں...... ویسے تو تم بھی بہت خوب صورت ہو، میں حیران ہوں، حویلی کی نوکرانیاں کتنی خوب صورت ہیں۔'' سارہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ شانزے کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نہ جانے سارہ اسے کیا سمجھ رہی تھی۔ بھلا اس میں سارہ کا قصور بھی کیا تھا، میلے اور بدرنگ کپڑے جن پر جگہ جگہ داغ دھبے لگے ہوئے تھے۔ پرانی سی چپل اور فضول سی اوڑھنی، یہ نوکرانیوں والا حلیہ ہی تو تھا۔

''میں...... میں نوکرانی نہیں ہوں۔'' اس کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی...... سارہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی...... وہ نوکرانی نہیں تھی تو پھر کون تھی؟ وہ شہریار کے پورے خاندان سے متعارف بھی تو نہیں تھی۔

''میں شہریار بھائی کی کزن ہوں۔ شانزے سکندر شاہ......'' شانزے نے اداسی سے پانی پر تیرتے پھولوں کو دیکھا۔

''تم...... تم ثناشا کی بہن ہو؟'' سارہ کے لہجے میں بے پناہ حیرانی تھی۔ شانزے نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اوہ مائی گاڈ......'' سارہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''وہ لوگ عورتوں کی عزت کرنا نہیں جانتے، ان کے ہاں بہو، بیٹیوں کی عزت نہیں کیا جاتی...... ان کے نزدیک عورت کی حیثیت بھیڑ، بکری سے زیادہ نہیں ہوتی۔'' اسے اپنے باپ کی باتیں یاد آرہی تھیں۔ وہ اس حویلی کی بہو تھی جو سارا دن زندان جیسے کمرے میں قید رہتی، جس کے تن پر کوئی زیور نہیں تھا، جو عام سے سستے سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس اس حوض کے کنارے بیٹھی تھی اور سامنے کھڑی لڑکی اس حویلی کی بیٹی تھی، جس کے کپڑوں پر جا بجا داغ اور دھبے تھے جو سارا دن اِک نوکرانی کی طرح کام کرتی۔

اس گھر میں بہو، بیٹیوں کے ساتھ یہ کیسا سلوک روا رکھا جاتا تھا، سارہ حوض کے کنارے بیٹھی گم صم ہوگئی۔ باپ کی باتیں اور نصیحتیں یاد آنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس پر بہت کچھ منکشف ہونے لگا۔ اس نے گھاٹے کا سودا کیا تھا اب اس میں شبہ نہیں رہا۔

''کیا ہوا بھابی...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شانزے نے گھبرا کر پوچھا۔

''ہاں......'' وہ بدقت مسکرائی۔ خوابوں کی دھند چھٹی تو حقیقت کے اندھیرے نظر آنے لگے۔ ثناشا نے کھڑکی سے انہیں دیکھا تو اس کے تیور خطرناک حد تک بگڑ گئے۔

''آپ نے دیکھا اسے...... کیسے اس شانزے کے ساتھ گپیں لگا رہی ہے۔ دیکھنے میں کچھ خاص تو نہیں ہے، بس رنگ گورا اور بال لمبے ہیں، ایسی کوئی حور پری تو نہیں جو شہریار اس کے لیے پاگل ہی ہوگیا

ایک چھوٹا سا بول

ایک چھوٹا سا بول جو رحم دلی سے بولا جائے ایک (ہمدرد) اشارہ یا ہمدردی بھرا آنسو، اکثر ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیتا ہے اور دوست کو مخلص بنا دیتا ہے۔ ایک لفظ یا نظر نے کئی کھلتے ہوئے پھولوں کو مسل کر زمین پر پھینک دیا اور کبھی مرجھائے ہوئے پھولوں کو جلا بخش دی۔

ایک خوشگوار (پیار بھرے) لفظ کو بیکار مت جانو کیونکہ آپ کے چہرے کا اتار چڑھاؤ اور آپ کے خیالات ایک زخمی دل کو تندرست کرسکتے ہیں یا اسے توڑ بھی سکتے ہیں۔

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

ہے۔'' نتاشا نے صوفے پر بیٹھی زائرہ بیگم سے کہا۔

''تم فکر مت کرو، بھائی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ حویلی کے اندرونی حصے میں نہیں آئے گی۔ باہر کی عورتیں، خاندانی عورتوں کے برابر نہیں آسکتیں۔تم دیکھنا کچھ عرصے بعد وہ خود ہی چلی جائے گی۔ مرد جب عورت کو برت لیتا ہے تو اس کی اہمیت کم ہو جاتی ہے، دیکھتے ہیں کتنے دن یہاں رہتی ہے۔'' زائرہ بیگم نے نتاشا کو تسلی دی۔

''پتا نہیں وہ دن کب آئے گا؟'' نتاشا حسرت سے بولی۔

''تم کیوں اپنا دل جلاتی ہو؟ فکر مت کرو، اس شانزے کو تو میں ابھی پوچھتی ہوں، کس کی اجازت سے اس کے پاس گپیں لگانے گئی ہے۔'' زائرہ بیگم غصے سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور باہر نکل گئیں۔ نتاشا نے ایک زہر آلود نظر کھڑکی کے باہر کے منظر پر ڈالی اور پردہ چھوڑ دیا۔

☆☆☆

گھر کا تقریباً سارا سامان پیک ہو چکا تھا۔ شہربانو ...اداس اور اسفندیار خاموش تھے۔ اسفندیار نے کسی دوسرے علاقے میں ایک چھوٹا سا فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا۔ اس گھر میں وہ پندرہ سالوں سے رہ رہے تھے اور مالک مکان کے ساتھ بالکل خاندان والوں کی طرح تعلقات تھے لیکن اب مجبوری تھی، سارہ کی یوں چوری چھپے شادی کو کس طرح چھپاتے سو انہوں نے یہاں سے جانا ہی مناسب جانا۔

☆☆☆

ہما آج بہت دنوں کے بعد کالج آئی تھی۔ اس کا بی اے کا آخری سال تھا۔ کلاسز ختم ہونے کے بعد وہ لائبریری کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔ اس کا دل بوجھل اور اداس تھا۔ گھر میں اتنا کچھ ہو گیا اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی دھپ سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چونک کر دیکھا۔ فائلوں اور کتابوں کا ڈھیر تھامے وہ ازمیر تھا۔

''کیا ہوا کچھ پریشان لگ رہی ہو۔ اتنے دنوں کے بعد کالج آئی ہو۔ سب خیریت تو ہے؟'' وہ شاید کوئی نجومی تھا جس نے اِک نظر میں اس کے دل کا حال جان لیا۔

''نہیں...... بس گھر کی شفٹنگ اور پیکنگ میں لگے ہوئے ہیں، اسی لیے تھکان بھی بہت ہو گئی۔'' وہ زبردستی مسکرائی۔

''یہ لو...... کچھ نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروائے ہیں، اب تمہیں کسی اور کی منتیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' ازمیر نے بے پروائی سے ایک فائل اس کی طرف بڑھائی۔

''تھینکس...... تم نے خواہ مخواہ زحمت کی، میں ویک اینڈ پر میں خود ہی بنا لیتی۔'' ہما نے فائل کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اسے ازمیر کے خلوص پر شبہ نہیں تھا۔ وہ ایک پُرخلوص اور سادہ دل لڑکا تھا۔

''چلو خیر ہے، اب ویک اینڈ انجوائے کرنا ویسے بائی دا وے تم لوگوں کو اچانک گھر شفٹ کرنے کی کیا سوجھی...... تم لوگ تو کافی عرصے سے اس گھر میں رہ رہے ہو۔'' وہ پچھلے چار سالوں سے ہما کا کلاس فیلو تھا، اسی لیے اس سے جھوٹ بولنا آسان نہیں تھا۔ اس نے جیب سے چاکلیٹ نکالی اور اس کا ریپر اتارنے لگا۔ ہما نے نظریں چرا لیں۔

''ہوں...... وہ گھر کافی پرانا ہو چکا تھا، مالک مکان اب اسے بیچنا چاہتے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ کہیں اور اچھا سا فلیٹ لے لیں۔'' وہ فائل کھولتے ہوئے بولی۔ ترتیب سے رکھے گئے نوٹس دیکھ کر اسے گوناگوں خوشی ہوئی۔ ازمیر نے اسے چاکلیٹ آفر کی جسے اس نے نظر انداز کر دیا۔

''کافی محنت کی ہے تم نے یہ نوٹس بنانے میں۔'' اس نے ستائشی انداز میں سرسری سا نوٹس کو پڑھتے ہوئے کہا۔

''تھینکس فار دی کمپلیمنٹ!'' وہ چاکلیٹ کھاتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے اس دفعہ بھی ٹاپ کرنے کا تمہارا ارادہ ہے، کبھی تو کسی اور کے لیے پوزیشن چھوڑ دیا کرو...... جتنی ٹرافیز اور شیلڈز تمہارے پاس ہیں اگر میرے پاس ہوتیں تو شاید میں خوشی سے پاگل ہو جاتی۔'' ہما نے نوٹس کے صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔ ازمیر کے نوٹس ہمیشہ کلاس کے بیسٹ نوٹس ہوتے تھے۔

''لیکن میرے نزدیک ان چیزوں کی خاص اہمیت نہیں ہے، میں جو کرنا چاہتا ہوں ابھی تک نہیں کر سکا اور جب تک میں اپنا ٹارگٹ حاصل نہیں کر لیتا میرے لیے ہر کامیابی بیکار ہے۔'' ازمیر کا لہجہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں سرد سا تاثر ابھر آیا۔ ہما نے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ بعض دفعہ اسے ازمیر بہت پُراسرار لگتا، اسے محسوس ہوتا کہ اس کے رویّوں میں الجھاؤ سا ہے وہ نارمل لوگوں سے مختلف ہے، اس کی شخصیت میں شاید کچھ راز ایسے ہیں جن پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

''وہ کون سا ٹارگٹ ہے ازمیر......؟ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟'' ہما نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک شخص سے انتقام لینا ہے جب تک اس سے بدلہ نہیں لے لیتا مجھ پر ہر سانس بھاری رہے گی۔ کوئی بھی کامیابی مجھے ڈھنگ سے خوش نہیں ہونے دے گی۔'' ازمیر کی آنکھیں سرد جھیلوں کے مانند لگ رہی تھیں۔

''اوہ...... خاندانی دشمنی......'' ہما نے بے ساختہ سوچا، ازمیر جیسے پڑھے لکھے اور ذہین لڑکے سے ایسے ری ایکشن کی توقع نہیں تھی۔ ''سچ ہے زمیندار اور وڈیرے جتنا بھی پڑھ لکھ جائیں ان کی سوچ نہیں بدلتی۔'' اس نے افسوس سے سوچا۔

''ازمیر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے، انسان کی خواہش تقدیر کے فیصلوں کو بدل نہیں سکتی، میں تمہارے پرسنل مسائل کے متعلق تو نہیں جانتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو ضائع مت کرو، اگر کسی نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے تو وہ اس کا انجام دیکھ کر ہی دنیا سے جائے گا، کچھ باتوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بجائے تقدیر پر چھوڑ دینا چاہیے۔'' ہما نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ازمیر نے ایک نظر اس کے ملیح چہرے پر ڈالی اور بے ساختہ مسکرا دیا۔

☆☆☆

زائرہ بیگم نے آگے بڑھ کر شانزے کی چوٹی زور سے پکڑ لی، شانزے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''دوبارہ اگر تجھے میں نے اس چڑیل کے آس پاس دیکھا تو وہ حشر کروں گی کہ تو یاد رکھے گی، بڑی آئی اس کی ہمدرد۔'' زائرہ بیگم نے غصے سے اس کے بالوں کو جھٹکا دیا۔ شانزے کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔

''چل دفع ہو جا یہاں سے ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔'' انہوں نے اسے دیوار کی سمت دھکا دیا اور گرج دار آواز میں بولیں...... شانزے دیوار سے لگی اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔ نتاشا نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے کپڑے استری کر کے الماری میں رکھو اور دس منٹ میں میرا کمرا بھی صاف کرو۔'' نتاشا نے اسے تحقیر آمیز لہجے میں حکم دیا۔ شانزے تیزی سے باہر چلی گئی۔

''ماما شہریار تو باقاعدگی سے اس چڑیل کے پاس جاتا ہے۔ آپ نے تو کہا تھا کہ مرد کا دل بہت جلدی عورت سے بھر جاتا ہے۔'' نتاشا نے منہ بسور کر کہا۔

''بیٹا ابھی اس کی شادی کو وقت ہی کتنا گزرا ہے تھوڑا انتظار کر لو، دیکھنا میں اس کے ساتھ کرتی کیا ہوں، اسے آٹھ آٹھ آنسو نہ رُلایا تو میرا نام بدل دینا۔'' زائرہ بیگم نے نفرت سے کہا۔

''ماما! شہریار کا دل بدل جائے گا ناں؟'' نتاشا نے بڑی آس سے پوچھا۔ زائرہ بیگم نے اثبات میں

سر ہلا دیا اور پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

سکندر شاہ کی جیپ تیزی سے پورچ میں آرکی۔ انہوں نے اندر آتے ہی زائرہ بیگم کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ جب وہ خاص طور پر زائرہ بیگم کو بلواتے تو ضرور کوئی خاص ہوتی۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں تو سکندر شاہ کو بے چینی سے ٹہلتے پایا۔

''خیریت ہے شاہ صاحب؟''

''نہیں، خیریت نہیں ہے آج جہانگیر شاہ ہمارے شہر کے دفتر آیا تھا۔'' سکندر شاہ کے لہجے میں بے پناہ سنجیدگی تھی۔

''جہانگیر شاہ......'' برسوں پہلے سنا ہوا اِک نام آج وہ سالوں بعد سن رہی تھیں۔ یہ نام اُن کے وجود میں زہر بھر دیتا تھا۔

''اس کی اتنی جرأت کہ وہ آپ کے دفتر پہنچ گیا۔ کیوں آیا تھا وہ؟ کہیں اس بڑھاپے میں سٹھیا تو نہیں گیا۔'' زائرہ بیگم آگ بگولا ہو گئیں۔ سکندر شاہ کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر باہر دیکھنے لگے۔

''وہ اپنے بیٹے کے لیے شانزے کا رشتہ لایا تھا۔'' انہوں نے دھماکا کیا۔

''کیا......؟'' زائرہ بیگم سن ہو گئیں۔

''شہر کی بڑی یونیورسٹی سے اس کے بیٹے نے ایم بی اے کیا ہے اس کی جائداد اور زمینوں کا اکلوتا وارث ہے۔'' زائرہ بیگم کی طرف اُن کی پشت تھی اس لیے وہ ان کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھیں، زائرہ بیگم کے وجود کو شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''آپ نے اسے انکار کر کے دھکے مار کر نکال دینا تھا۔'' اُن کا لہجہ نفرت سے چیخ رہا تھا۔ بھلا شانزے کی اتنی اوقات تھی کہ ایسے لائق اور دولت مند لڑکے سے بیاہی جاتی۔

''میں نے اسے انکار کر دیا ہے۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولے۔ زائرہ بیگم نے اطمینان کی سانس لی۔

''لیکن ایک باپ بن کر سوچا تو دل چاہا کہ اپنے فیصلے میں ترمیم کر لوں۔'' ان کی آواز آہستہ ہو گئی، زائرہ بیگم کے دل کو پنکھے لگ گئے۔

''آپ صرف ایک باپ ہی نہیں، اس علاقے کے سردار ہیں، وڈیرے ہیں اور آپ کو بالکل زیب نہیں دیتا کہ اس شخص کے آگے جھک جائیں۔ اسے بیٹی کا رشتہ دیں گے تو اس کے سامنے سر جھکا کر رہنا پڑے گا۔ شانزے کا کیا ہے، اس کی شادی کہیں نہ کہیں ہو ہی جائے گی، سکندر شاہ کی بیٹی کو رشتوں کی کمی نہیں ہے۔'' انہوں نے سکندر شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سکندر شاہ نے ایک طویل سانس بھری اور واش روم چلے گئے۔ زائرہ بیگم کو حسد کی آگ سلگائے دے رہی تھی۔ شانزے کا رشتہ اتنے اچھے خاندان میں طے ہو انہیں کب گوارا تھا۔ وہ غصے سے باہر نکلیں، آج انہیں شانزے پر اتنا غصہ آرہا تھا جتنا پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ نہ جانے اتنے سالوں سے سویا ہوا جہانگیر شاہ یک دم کہاں سے جاگ پڑا۔ وہ یہ رشتہ کبھی نہیں ہونے دیں گی۔ وہ دل ہی دل میں پلان بنا رہی تھیں وہ یہ بھول گئی تھیں کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہو اسے تدبیر سے ٹالا نہیں جا سکتا۔

☆☆☆

سارہ بیڈ پر بیٹھی موبائل پر کوئی گیم کھیل رہی تھی کہ دفعتاً کسی نے باہر سے زور زور سے دروازہ بجایا، یوں جیسے کوئی دروازہ توڑ ہی ڈالے گا۔ سارہ گھبرا گئی نہ جانے کون تھا جو اس بدتمیزی اور بدتہذیبی سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اس نے تکیے پر پڑا دوپٹا اوڑھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کون ہے؟'' اس نے دل کڑا کر کے پوچھا۔ باہر سے کوئی جواب نہ آیا بلکہ دروازہ اسی طرح بجایا گیا۔ سارہ نے گھبرا کر لاک کھول دیا۔ سامنے کھڑی شخصیت کو دیکھ کر وہ بری طرح چونک گئی۔

اختتامی حصہ اگلے ماہ



ناولٹ

دوسرا اور آخری حصہ

رواج

مدیحہ عدنان

سارہ کے لیے سامنے کھڑی عورت اجنبی تھی۔ قیمتی ریشمی لباس اور سونے کے زیورات سے مزین، کلائیوں میں سونے کی چوڑیاں اور ہر انگلی میں قیمتی پتھروں والی انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ بالوں کا اونچا سا جوڑا بنائے وہ ناقدانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔ سارہ گھبرا کر اپنا دوپٹا ٹھیک کرنے لگی۔ وہ اس عورت کی شان و شوکت دیکھ کر متاثر ہوئی تھی۔ چند لمحوں بعد ان کے پیچھے سے ایک لڑکی نے سر نکالا۔



لیمن کلر کے بے حد اسٹائلش سے سوٹ میں ملبوس وہ قبول صورت سی لڑکی تھی، رنگ زیادہ گورا نہیں تھا، کندھوں تک آتے بال کھلے تھے اور کانوں میں ہیروں کے چمکتے ہوئے ٹاپس نمایاں تھے۔

''تو تم ہو سارہ......؟'' زائرہ بیگم نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

سارہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگی۔

''جو لڑکیاں گھر سے بھاگ کر شادی کرلیتی ہیں ان کی شکلوں پر اسی طرح پھٹکار برستی رہتی ہے۔'' زائرہ بیگم نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اسے اپنی شدید ہتک کا احساس ہوا۔

''تمہارے ماں باپ تو ساری دنیا سے منہ چھپاتے ہوں گے۔ سوچتے ہوں گے جس دن تم پیدا ہوئیں اسی دن تمہارا گلا دبا دیتے تو اچھا ہوتا۔ کم از کم اپنے ماں باپ کی عزت کا ہی خیال کرلیتیں جب تمہارے باپ نے انکار کردیا تھا تو کیا ضرورت تھی کورٹ میں جا کر نکاح کرنے کی۔ کیا مل گیا تمہیں شادی کرکے؟'' زائرہ بیگم کے الفاظ وہ پتھر تھے جو سارہ کی روح کو لہولہان کررہے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑے ان دونوں کو دیکھتی جارہی تھی۔

''ماما......! کچھ لڑکیوں کو اپنی عزت کا خیال ہوتا ہے اور نہ اپنے ماں باپ کی......'' نتاشا اسے تنفر سے دیکھ کے بولی۔

''آپ......آپ کون ہیں؟'' سارہ کو بے حد غصہ آرہا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ سامنے کھڑی عورت اور یہ لڑکی اس گھر کا اہم ستون ہوں گے۔

''میں شہریار کی چچی ہوں اور یہ شہریار کی منگیتر نتاشا ہے۔ ہمارا غائبانہ تعارف تو ہوا ہوگا۔ اس میں تمہارا بھی کوئی قصور نہیں......تم کون سا حویلی کے اندر آتی ہو جو تمہیں سب کے متعلق علم ہو......تم تو کبھی حویلی کے اندر نہیں آسکتیں کیونکہ چوری چھپے کی گئی شادی کو یوں ہی چھپایا جاتا ہے۔ دنیا تو جانتی بھی نہیں کہ شہریار نے ایک عدد شادی بھی کرلی ہے۔ مردوں کی ایسی بہت ساری شادیاں ہوتی ہیں جو دنیا کی نظروں میں نہیں آتیں۔'' زائرہ بیگم کے لفظ لفظ میں نشتر چھپے تھے۔ سارہ سے برداشت کرنا مشکل ہوگیا۔

''آپ یہی سب کہنے یہاں آئی ہیں؟'' وہ ضبط کی آخری حدوں پر کھڑی تھی۔

''ہاں......میں یہی سب کہنے یہاں آئی ہوں اور تم کیا سمجھتی ہو کہ میں تمہاری یہ پیلی صورت دیکھنے آئی ہوں، مجھے تم سے بھلا کیا دلچسپی جو اس کباڑ خانے میں آتی......ویسے تمہاری اوقات کے لحاظ سے تو یہ کمرا بہت بہتر ہے۔'' زائرہ بیگم نے چبا چبا کر کہا۔

''اور میں تو یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ گھر سے بھاگنے والیوں کی شکلیں کیسی ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں تو ایسی لڑکیوں کو ماردیا جاتا ہے لیکن شہر والے شاید بے غیرت ہوتے ہیں۔'' نتاشا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

سارہ نے اپنا سر تھام لیا۔

''چلیں ماما......! زیادہ دیر یہاں ٹھہرنا ہمیں زیب نہیں دیتا......ہماری تو نوکرانیاں بھی اس سے بہتر ہیں۔'' وہ دونوں مسکراتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

سارہ کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آگیا۔ ایسی ذلت اور تحقیر کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

''ابو ٹھیک کہتے تھے، ان لوگوں میں انسانیت نام کو نہیں ہے۔'' اسے اپنے شفیق باپ کی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس کا دل پگھل گیا۔ اسے احساس ہوگیا کہ اس نے غلط قدم اٹھایا ہے۔ جذبات میں آکر عقل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ ماں، باپ سچ کہتے تھے لیکن وہ اس وقت انہیں اپنا دشمن سمجھتی تھی۔ اسے شہریار ...کا انتظار تھا۔ وہ اس سے صاف بات کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس کمرے میں قید رہ کر تنگ آچکی تھی۔ اس نے شادی کی تھی، خود کو کوئی سزا تو نہیں دی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ زائرہ بیگم اور نتاشا کی باتیں پتھر کی طرح اس کے دل پر لگی تھیں۔

☆☆☆

سکندر شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے سامنے بیٹھے ڈاکٹر کو دیکھ رہے تھے۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا، ان کا ذہن اس حقیقت کو قبول کرنے سے قاصر تھا۔ یہ ایک پرائیویٹ کلینک کا کمرا تھا۔

''آئی ایم سوری مسٹر سکندر لیکن یہی حقیقت ہے......لیکن آپ اللہ سے اچھی امید رکھیے، معجزے بھی اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ سکندر شاہ کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ انہوں نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ انہیں اس طرح کی صورتِ حال سے بھی گزرنا پڑے گا۔

''میرے پاس کتنا وقت ہے ڈاکٹر؟''

سکندر شاہ کو اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''اندازاً چھ سے سات ماہ......''

''میں علاج کے لیے باہر جانا چاہتا ہوں۔''

''ضرور جائیں لیکن ہمارے پاس بھی وہی سہولیات ہیں جو باہر ہیں۔ ان رپورٹس کے مطابق باہر والے بھی کچھ نہیں کرسکتے۔ ان فیکٹ خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کرسکتا لیکن میں ہر مریض سے یہی کہتا ہوں کہ ہمیں ہر حال میں امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کیا خبر کب کوئی معجزہ ہوجائے۔''

سکندر شاہ نے سامنے پڑی فائل اٹھائی اور شکست خوردہ قدموں سے باہر نکلے۔ انسان کا غرور، طاقت، دولت سب تقدیر کے ایک جھٹکے سے ختم ہوجاتے ہیں۔ سکندر شاہ چند لمحوں میں ہی ٹوٹ گئے تھے۔ ایسا بھی ہوتا ہے چند لمحے انسان کو سرتاپا بدل دیتے ہیں۔ انسان کی بے بسی اسے شکست خوردہ کردیتی ہے۔ آج کا سکندر شاہ کل کے سکندر شاہ سے بالکل مختلف تھا۔ آج تو سکندر شاہ کے آنے کی کسی کو خبر بھی نہیں تھی۔ وہ بڑی خاموشی سے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

لاؤنج کے آخری کونے میں شانزے جھاڑو لیے سر جھکائے کھڑی تھی، فرش پر کرسٹل کے ایش ٹرے کے ٹکڑے پڑے تھے جو شاید صفائی کے دوران اس سے ٹوٹ گیا تھا۔ زائرہ بیگم اس کے قریب کھڑی اسے ڈانٹ رہی تھیں۔ یہ کوئی نیا منظر نہیں تھا لیکن آج سکندر شاہ اسے نظر انداز نہیں کرسکے۔

''نقصان کرنے کے سوا اور تجھے آتا ہی کیا ہے......کم بخت پتا نہیں کب جان چھوڑے گی۔ جی تو چاہتا ہے ایک بار ہی تیرا گلا دبا دوں۔'' زائرہ بیگم غصے سے بولیں اور اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ کوئی انہونی سی ہوئی تھی۔ زائرہ بیگم کا اٹھا ہاتھ ہوا ہی میں معلق رہ گیا۔ وہ چونک کر پیچھے مڑیں تو جیسے پتھر کی ہوگئیں۔

ان کا ہاتھ کسی اور نے نہیں بلکہ سکندر شاہ نے پکڑا تھا۔ وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔ سامنے کھڑی شانزے کے لیے بھی یہ منظر ناقابلِ یقین تھا۔

''آپ ذرا میرے کمرے میں آئیں۔'' سکندر شاہ حکمیہ لہجے میں کہہ کر رکے نہیں......زائرہ بیگم ابھی تک حیرانی کے سمندر میں غلطاں تھیں۔ ایسا کب ہوا تھا کہ ان کا ہاتھ کسی نے پکڑا ہو......انہیں سکندر شاہ کا رویہ بے حد ناقابلِ فہم محسوس ہوا۔

سکندر شاہ صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر بے حد عجیب سے تاثرات تھے۔ زائرہ بیگم ان کا چہرہ دیکھ کر خوفزدہ ہوگئیں۔

''آپ کو شانزے پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔'' انہوں نے سنجیدگی سے کہا......زائرہ بیگم کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

''آپ نہیں جانتے، وہ بہت بے پروا ہے، قیمتی چیزیں توڑتی رہتی ہے، نقصان کرے گی تو سزا تو اسے ملے گی ناں۔'' زائرہ بیگم لمحے بھر کے لیے گھبرا گئیں۔

''ہم نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ اس طرح کے کام اس سے مت کروایا کریں، گھر میں نوکروں

کی کمی نہیں ہے، کم از کم آپ کو اتنا علم تو ہونا چاہیے کہ کس کا کیا مقام ہے۔ ہمیں آپ کی اس حرکت پر افسوس ہوا ہے، دوبارہ ہمیں ایسی شکایت نہ ملے۔ آپ ہمیں اچھی طرح جانتی ہیں، اس لیے آئندہ ہماری حکم عدولی کی کوشش نہ کیجیے گا۔'' سکندر شاہ نے بارعب آواز میں کہا۔ زائرہ بیگم کے ہاتھوں کے تو طوطے اڑ گئے۔ انہیں شدید توہین کا احساس ہوا۔ شانزے کی وجہ سے ان کی اتنی بے عزتی ہوئی انہیں اس پر شدید غصہ آرہا تھا۔

''شاہ صاحب بات اتنی بڑی نہیں ہے، میں ماں ہوں اس کی اگر ماں بچوں پر ہاتھ اٹھائے تو اسے برا نہیں سمجھنا چاہیے۔'' وہ اپنا غصہ دباتے ہوئے بولیں۔ سکندر شاہ نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''آپ اس کی ماں نہیں ہیں، زبردستی بنائے گئے رشتوں کا یہی حال ہوتا ہے، ہم نے ساری زندگی اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ حیرت ہے ہمیں اپنی اولاد کے متعلق سوچنے کا وقت ہی نہیں ملا...... اب ہم اس کے بارے میں سوچیں گے جو کچھ ہوا اس میں اس کا قصور نہیں تھا۔ اس کی ماں کون تھی، کس خاندان سے تھی، ہمارے اس کے ساتھ کیا اختلافات تھے، ان سب باتوں کا ہماری اولاد سے تعلق نہیں ہے، ہم جو اس کے لیے بہتر سمجھیں گے وہی کریں گے۔'' سکندر شاہ کے لہجے میں قطعیت تھی۔ زائرہ بیگم ٹکر ٹکر اُن کی صورت دیکھتی رہیں۔ نہ جانے انہیں کیا ہوگیا تھا۔ ایسی باتیں تو انہوں نے کبھی نہیں کی تھیں۔

''آپ زریاب کو فون کریں کہ وہ کل گھر آجائے۔'' انہوں نے اگلا حکم دیا۔ زائرہ بیگم نے محض سر ہلایا۔

''کل ہم نے شاپنگ پر جانا ہے، ڈرائیور اور گاڑی فارغ ہے کیا......؟'' انہوں نے اکتا کر موضوع بدلا۔

''ڈھیروں ڈھیر شاپنگ کرتی ہیں آپ، کچھ اچھی چیزیں شانزے کے لیے بھی لے آئیں۔ وہ بھی اس گھر کی بیٹی ہے۔'' زائرہ بیگم نے پہلو بدلا، نہ جانے سکندر شاہ کو آج شانزے سے ہمدردی کا بخار کیوں چڑھا ہوا تھا۔ اب کیا ہوگیا تھا کہ ان کی سوئی شانزے پر ہی اٹک گئی تھی۔ زائرہ بیگم نے بہ مشکل خود کو کنٹرول کیا۔

''ہم نتاشا کے بارے میں جلد ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔''

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' زائرہ بیگم کا دل دھڑکنے لگا۔

''جلدی ہی تو ہے ہمیں، اب تو ہمیں ہر بات کی جلدی ہے۔'' ان کا لہجہ پُراسرار ہوگیا۔ زائرہ بیگم کے سر میں درد ہونے لگا۔ آج کا تو دن ہی برا تھا۔ شانزے کو دی جانے والی اہمیت انہیں بری طرح کھل رہی تھی۔

''مکار، گھنی، میسنی، نہ جانے کب مظلومیت کا ڈھونگ رچا کر باپ کی ہمدردیاں حاصل کرلیں۔ میں ہی بے وقوف تھی جو اسے بے ضرر سمجھ بیٹھی تھی۔ کس قدر چالاک نکلی ہے، توبہ......توبہ......'' زائرہ بیگم غصے سے سوچ رہی تھیں۔

''میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' سکندر شاہ بیڈ پر لیٹ گئے۔

''ہاں، ہاں آپ آرام کیجیے، تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔'' زائرہ بیگم نے فوراً اٹھ کر چادر ان پر ڈالی۔ سکندر شاہ نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ نہ جانے کیوں آج ان کا ہر انداز اجنبی سا لگ رہا تھا۔ زائرہ بیگم اپنا غصہ دباتی باہر نکل گئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالیں۔ کاریڈور کے آخری سرے میں انہوں نے پوچا لگاتی شانزے کو دیکھ لیا۔ انہوں نے سوہائی کو آواز دی اور اسے ہدایت کی کہ پوچا تم

لگاؤ اور شانزے سے کہو وہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔ شانزے حیرانی سے دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آج زندگی میں پہلی دفعہ اسے سکندر شاہ ایک باپ کی طرح محسوس ہوئے، اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آج اسے سکندر شاہ کی آنکھیں باپ کی آنکھیں محسوس ہوئیں۔ باپ کی آنکھیں جن میں اس کے لیے شفقت تھی، ہمدردی تھی اور شاید محبت بھی تھی۔ سوہائی نے پوچا لگایا پھر سارہ کا کھانا لے کر اس کے کمرے میں آگئی۔ سارہ اس قیدِ تنہائی سے اکتائی ہوئی تھی۔ سوہائی کو دیکھ کر اس نے اسے چند لمحوں کے لیے روک لیا۔

''شہریار صاحب کہاں ہیں؟'' اس نے... بے قرار ہوکر پوچھا۔

''وہ جی اپنے حویلی والے کمرے میں ہیں۔'' سوہائی نے جواب دیا۔

سارہ کو شدید غصہ آیا، شہریار کا موبائل بھی آف تھا۔

''وہ شانزے دوبارہ نہیں آئی، مجھے تو یقین ہی نہیں آیا کہ وہ شہریار کی چچا زاد ہے۔ اس حویلی میں اس کے ساتھ نوکرانی والا برتاؤ کیوں کیا جاتا ہے...... آخر وہ اس گھر کی بیٹی ہے۔'' سارہ نے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہوکر پوچھا۔

''وہ جی شاہ صاحب کی پہلی بیوی کی بیٹی ہیں، اس وجہ سے انہیں اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ ان کی ماں کو حویلی والے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔'' سوہائی چور نظروں سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیا شانزے کی ماں بہت بری عورت تھیں، کیا وہ خراب عورت تھیں؟'' سارہ نے خیال کے گھوڑے دوڑائے۔

''نہیں، نہیں جی...... وہ تو بڑی نیک عورت تھیں، پانچ وقت کی نمازی اور شریف عورت تھیں۔'' سوہائی رازدارانہ انداز میں بولی۔

''تو پھر کیا مسئلہ تھا، حویلی والے انہیں کیوں پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ بے حد غریب...... ہوں گی؟'' سارہ نے اندازہ لگایا۔

''نہیں جی اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ اونچے خاندان سے تعلق تھا ان کا۔'' سوہائی نے انکشاف کیا۔

''تو پھر کیا وجہ تھی، شانزے کی ماں کو کیوں اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا، کیا سکندر چچا نے خاندان سے بغاوت کرکے شادی کی تھی؟'' سارہ کا ذہن الجھ گیا۔

موتی مالا

☆ محبت جنہیں یاد کرتی ہے انہیں سدا سفر میں دوڑائے پھرتی ہے۔

☆ محبت صرف جوگ ہے۔

☆ ہم کسی کو اپنی مرضی سے چاہ تو سکتے ہیں لیکن کسی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو۔

☆ جو زندگی اندر مرچکی ہو اسے جھوٹ موٹ جیتے رہنا کتنا دشوار ہے۔

☆ جو دکھ کو گلے کا ہار بنالیتے ہیں وہ کبھی دکھ سے نجات نہیں پاتے۔

☆ محبت کو پانے 'منانے کے لیے ہی نہیں ناچا جاتا محبت پاکر بھی بندہ ناچ اٹھتا ہے۔

☆ پہلی محبت ان دیکھی سرزمین کے لیے کیے جانے والے سفر کی طرح ہمیشہ ہماری یادوں میں تازہ رہتی ہے۔

☆ جو چیز خواہش بھی ہو اور ضرورت بھی وہ محبت ہوتی ہے۔

☆ جڑیں سلامت ہوں تو ٹنڈ منڈ درختوں پر بھی موسم بدلتے ہی پھول آجاتے ہیں۔

مرسلہ: نوشین اقبال نوشی، گاؤں بدر مرجان

"نہیں جی، وہ تو اس شادی پر راضی بھی نہیں تھے۔ بس مجبوری میں کرنی پڑی۔ بس اس سے زیادہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی جی، یہ حویلی کے راز ہیں، حویلی کے رازوں پر سے پردہ نہیں ہٹایا جاتا۔" سوہائی نے کہا اور دروازے سے باہر جھانکنے لگی کہیں کوئی اس طرف تو نہیں آ رہا۔ سارہ کو اس کہانی میں بے حد دلچسپی محسوس ہونے لگی۔

"تو کیا وہ عورت سکندر چچا کو پسند کرتی تھی اور اسی نے شادی پر زور دیا؟" سارہ نے ایک اور خیال ظاہر کیا۔

"نہیں جی، وہ تو بچپن سے اپنی خالہ کے بیٹے سے منسوب تھیں، اسی کو پسند کرتی تھیں، قسمت میں سکندر شاہ کا ساتھ لکھا تھا۔ تقدیر کے سامنے انسان کے ارادے دھرے رہ جاتے ہیں۔" باہر سے کسی نے سوہائی کو آواز دی۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ سارہ کے ہاتھ ایک جگسا پزل لگ گیا۔ اسے سکندر شاہ کی کہانی میں عجیب سی دلچسپی محسوس ہوئی۔

وہ کیا راز تھا جو شانزے کی ماں سے جڑا تھا، وہ حویلی کے رازوں کے متعلق جاننا چاہتی تھی۔ وہ بہت بے صبری سے شہریار کا انتظار کرنے لگی۔ یقیناً شہریار سب حقیقتیں جانتا تھا۔ شہریار دن کے اجالے میں تو نظر ہی نہیں آتا تھا۔ اس کی آمد ہمیشہ رات کو ہوتی۔ وہ اسے تسلیوں، وعدوں اور اچھے دنوں کے خواب دکھا کر چلا جاتا۔ سارہ کو اب اس نظر بندی اور تنہائی سے وحشت ہونے لگی تھی لیکن اسے امید تھی کہ اچھے دن بھی ضرور آئیں گے، وقت کے ساتھ لوگ اسے قبول کرلیں گے۔ تھوڑا وقت صبر سے کاٹنے کے بعد اسے اس کی قربانیوں کا صلہ ضرور ملے گا۔

رات کو شہریار آیا تو وہ اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ شاید بہت تھکا ہوا تھا اسی لیے آتے ساتھ بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"تمہاری چچی اور نتاشا آج یہاں آئی تھیں۔ انہوں نے مجھ سے بہت فضول باتیں کیں۔ ایسی زبان استعمال کی جو شریف عورتیں استعمال نہیں کرسکتیں۔ تم انہیں آرام سے بتادو کہ آئندہ اس طرح کی حرکت نہ کریں۔ میں اس گھر کی بہو ہوں، کوئی سڑک پر کھڑی لاوارث لڑکی نہیں کہ جس کا جو جی چاہے مجھے کہہ دے۔ میں صرف تمہارا لحاظ کر کے خاموش ہوگئی ورنہ زبان میرے منہ میں بھی ہے۔" سارہ کو صبح کی بات یاد آئی تو اسے نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔ شہریار نے خاموش نظروں سے اسے دیکھا پھر نظریں پھیر لیں۔

"سارہ...... وہ ہماری بڑی ہیں اور پھر اُن کی بیٹی کو چھوڑ کر میں نے تم سے شادی کی...... اتنا غصہ کرنا تو ان کا حق بنتا ہے، تم ان کی باتیں نظر انداز کردیا کرو۔" سارہ افسوس سے شہریار کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"انہوں نے میری انسلٹ کی ہے شیری......! اور ابھی تک وہ اپنی بیٹی کو تمہاری منگیتر کہتی ہیں، آخر مجھے حویلی کے اندر جانے کی اجازت کیوں نہیں ہے۔ یہ شادی صرف میری پسند سے تو نہیں ہوئی، تمہاری پسند اور خواہش بھی تو شامل تھی پھر صرف مجھے ہی قصور وار کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟" سارہ کی آواز بھرا گئی۔

"ہر بات کا منفی پہلو مت دیکھا کرو یار...... ابھی حالات سازگار نہیں ہوئے۔ جب وقت آئے گا تو تمہیں حویلی کے اندر بھی لے جاؤں گا۔ ابھی اگر تم جاؤ گی تو روز، روز لڑائی جھگڑا ہوگا۔ حالات مزید خراب ... ہوں گے، تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے، یہاں آرام کرو، کھاؤ پیو، مزے سے رہو۔ نہ کوئی ذمے داری، نہ کوئی کام، رات کو میں آجاتا ہوں، تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" اس نے سارہ کا ہاتھ تھام لیا۔ سارہ کے دل کو تسلی ہوئی، کچھ بھی تھا اسے شہریار کی محبت پر شک نہیں تھا۔

"اچھا......! ایک بات تو بتاؤ، تمہاری کزن شانزے کے ساتھ یہاں نوکروں والا سلوک

کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کی ماں کون تھی؟ وہ اور نتاشا دونوں سکندر چچا کی بیٹیاں ہیں پھر اُن کی حیثیت میں اتنا فرق کیوں ہے، مجھے لگتا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی داستان ضرور ہے۔" سارہ نے موقع پاتے ہی پُرتجسس انداز میں پوچھا۔ شہریار نے یک دم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سارہ ان معاملات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے، آئندہ اس قسم کے سوال مت پوچھنا۔" یک دم ہی اس کا لہجہ درشت ہوگیا۔

"لیکن کیوں شیری، میں بھی تو اب اس خاندان کا حصہ ہوں، میں جاننا چاہتی ہوں کہ......" سارہ کی بات ادھوری رہ گئی۔

"ایک بار کہہ دینا کافی ہوتا ہے...... اگر تم نے دوبارہ اس موضوع پر کوئی سوال کیا تو میں اسی وقت یہاں سے چلا جاؤں گا۔" شہریار نے روکھے انداز میں قدرے سختی سے کہا۔ سارہ خاموش ہوگئی۔ وہ اب اکثر شہریار کے نئے، نئے روپ دیکھنے لگی تھی جو پہلے اس کی نظروں سے اوجھل تھے۔

صبح ہوئی تو اسے گھر میں شور اور چہل پہل کا احساس ہوا اُس نے پردہ ہٹا کر دیکھا تو باہر کچھ لوگ مختلف انتظامات میں مصروف نظر آئے، وسیع و عریض لان میں رش سا لگا تھا یوں لگتا تھا آج کوئی خاص تقریب ہے...... اسے تجسس نے آن گھیرا...... سوہائی ناشتا لے کر آئی تو اس نے اسے پوچھا۔

"کیا آج گھر میں کوئی تقریب ہے؟"

"ہاں جی......! آج نتاشا بی بی کی شادی ہے، شاہ صاحب کی طبیعت خراب ہے اس وجہ سے جلدی شادی کرنا پڑی۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ آپ بالکل باہر نہیں آئیں گی۔" سوہائی یہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

"نتاشا کی شادی؟" سارہ حیران ہوگئی پھر اسے بہت سکون کا احساس ہوا۔

"چلو شکر ہے وہ بلا تو یہاں سے جائے گی۔" اس نے سرشاری سے سوچا۔

سارا دن اسی چہل پہل میں گزر گیا، رات کو بے حد ہنگامہ برپا تھا، ساری حویلی کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ برقی قمقموں کی روشنیاں رات کے اندھیرے میں جگمگا رہی تھیں۔ ڈھول باجوں کی آوازیں، فائرنگ اور پٹاخوں کی گرج اور لوگوں کا شور۔ یوں لگتا تھا خاصے بڑے پیمانے پر تقریب کی گئی ہے۔ سارہ نے ہلکے سے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو اس پر انکشاف ہوا کہ اس کا دروازہ باہر سے بند تھا۔ اسے عجیب سا احساس ہوا...... کیا وہ ابھی تک اس خاندان کے لیے غیر ہی تھی، نتاشا کی شادی کی خوشی میں وہ اپنا غم بھول گئی۔ شہریار آج رات نہیں آیا، یقیناً وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ مصروف ہوگا۔ اگلے دن بھی اسی طرح کا شور تھا، گویا حویلی کی ہر تقریب میں اس کے لیے نو انٹری تھی۔ آج شاید دوپہر کا کوئی فنکشن تھا جو شام ڈھلے ختم ہوگیا۔ شام کے بعد اس کے کمرے کا دروازہ باہر سے کھول دیا گیا۔ سارہ چادر اوڑھ کر دبے پاؤں باہر نکل آئی۔ چیزیں سمیٹی جاچکی تھیں لیکن حویلی کے جسم پر روشنیاں زیورات کی طرح ابھی تک چمک رہی تھیں۔ سوہائی کی نظر اس پر پڑی تو وہ گھبرا کر اس کی طرف دوڑی چلی آئی۔

"آپ باہر کیوں آگئیں بی بی جی؟" وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تقریب تو ختم ہوگئی ہے، اب میرے باہر آنے پر پابندی کیوں؟" سارہ نے جلے بھنے انداز میں کہا۔

سوہائی گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ ایک کونے سے شانزے نکلتی دکھائی دی۔ سبز گوٹے والے جوڑے میں ملبوس وہ بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ کناری لگا دوپٹا سلیقے سے سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ کانوں میں سلور کلر کے جھمکے پہنے ہوئے تھے۔ وہ سارہ کو دیکھ کر اُدھر ہی آگئی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو..... آج تو پہچانی ہی نہیں جارہیں۔''

شانزے اس کی بات پر دھیرے سے مسکرادی۔

''کس سے ہوئی ہے نتاشا کی شادی؟'' سارہ نے شانزے سے پوچھا۔

شانزے خاموش نظروں سے سارہ کو دیکھنے لگی۔ سوہائی نے وہاں سے کھسک جانا مناسب سمجھا۔

''کیا ہوا، تم چپ کیوں ہوگئیں۔ بتانا نہیں چاہتی کیا..... نتاشا کی شادی کس سے ہوئی ہے؟'' سارہ کو اس کے تاثرات عجیب سے لگ رہے تھے۔

''نتاشا کی شادی شہریار بھائی سے ہوئی ہے۔''

الفاظ تھے یا بم جو عین سارہ کے سر پر پھٹے تھے۔

''نتاشا اور شہریار.....؟'' سارہ کا ذہن آندھیوں کی زد میں آگیا۔

''کیا..... کیا کہہ رہی ہو تم شانزے.....؟ یہ نہیں ہوسکتا۔'' سارہ کی کیفیت دیوانوں جیسی ہوگئی۔

شانزے نے سارہ کو بے حد افسوس سے دیکھا۔

''تایا جان نے شہریار بھائی کو آپ سے اسی شرط پر شادی کی اجازت دی تھی کہ وہ بعد میں نتاشا سے شادی کریں گے۔ شہریار بھائی نے اس شرط کو قبول کرلیا تھا۔'' شانزے نے ایک اور انکشاف کیا..... سارہ کا پورا وجود زلزلوں کی زد میں آگیا۔

''اتنا بڑا دھوکا.....! اتنی بڑی سازش.....''

شانزے اس کا بازو تھام کر اسے اس کے کمرے تک لے آئی۔

''شہریار ایسا نہیں کرسکتا۔ اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے ذکر تو کرتا.....'' سارہ دھواں دھار رونے لگی۔ شانزے نے پانی کا گلاس اس کے لبوں سے لگالیا۔

''قصور اُن کا نہیں ہے، حویلی کے کچھ اصول کبھی بدل نہیں سکتے۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتے تھے۔'' شانزے نے اسے تسلی دی..... اس کا دل سارہ کے لیے افسردہ تھا۔

''شہریار کہاں ہے اس وقت.....؟'' سارہ نے روتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اور نتاشا کچھ دیر پہلے ہی اسلام آباد کے لیے نکلے ہیں، وہاں سے وہ شمالی علاقہ جات جائیں گے۔ ان کی واپسی اب دس دن بعد ہی ہوگی۔ تایا جان نے بہتر سمجھا کہ کچھ عرصے کے لیے انہیں یہاں سے دور بھیج دیا جائے۔'' سارہ کے آنسو خشک ہوگئے۔

کیا وہ واقعی شہریار کو نہیں جانتی تھی..... وہ دوسری شادی کرکے خوش تھا۔ سیر وتفریح کے لیے نکل چکا تھا۔ وہ تو دونوں طرف سے فائدے میں رہا..... نقصان تو اس کے حصے میں آیا۔ خسارے میں تو صرف وہ ہی رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بین کرے..... اتنے زور زور سے کہ اس حویلی کے در و دیوار ہل کر رہ جائیں۔ اسے آج اپنے ماں باپ شدت سے یاد آرہے تھے۔ اس نے موبائل نکال کر ہما کو میسج ٹائپ کیا۔

''ہما! ابو سے کہنا کہ مجھے معاف کردیں..... میں نے ان کی نافرمانی کرکے بہت برا کیا..... وہ سچ کہتے تھے۔ ان کی ہر بات درست تھی۔ میں بہت بری بیٹی ہوں، بہت زیادہ بری..... میں گھر آنا چاہتی ہوں پلیز.....'' روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ چند لمحوں بعد اس کے موبائل پر ہما کی کال آرہی تھی۔ اس نے شانزے کی طرف دیکھا..... وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ سارہ نے موبائل کان سے لگالیا۔

☆☆☆

گھر کافی حد تک سیٹ ہوچکا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ تھا جو تین بندوں کے لیے کافی تھا۔ شہربانو... کو ہما نے سارہ کے فون کے متعلق بتایا تھا، وہ اُسی وقت سے پریشان تھیں۔

لاؤنج میں اسفند یار بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ قریب ہی چائے کی پیالی رکھی ہوئی تھی۔ شہربانو... ان کے ساتھ والے صوفے پر آبیٹھیں۔ ان کی آنکھیں قدرے سوجی ہوئی تھیں۔

''سارہ کا فون آیا تھا۔ اس نے ہما سے کہا کہ وہ آپ سے معافی مانگنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہے۔ اسے احساس ہوگیا ہے کہ اس نے غلطی کی، ان لوگوں کا سلوک اس کے ساتھ بے حد برا ہے اور شہریار نے بھی اپنی کزن سے دوسری شادی کرلی کچھ بھی ہے، آخر کو وہ ہماری اولاد ہے..... ہم اسے اس مشکل میں کیسے دیکھ سکتے ہیں۔'' شہربانو نے شوہر سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

انہوں نے اخبار پر سے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ یہ سب کچھ جو ہورہا تھا وہ بہت پہلے سے جانتے تھے۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سارہ ان کی لاڈلی بیٹی تھی لیکن اس نے انہیں بڑا دکھ دیا تھا۔

''ماں، باپ کے دل سے تو اس اولاد کے لیے بھی دعائیں نکلتی ہیں جو انہیں دکھ دیتی ہے۔ سارہ گھر آنا چاہتی ہے۔ اس نے جذبات میں آکر غلط قدم اٹھایا لیکن اب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا ہے۔ وہ بہت مشکل میں ہے۔'' شہربانو کا دل غم سے بوجھل تھا۔

''میں جانتا تھا کہ ایک دن یہی ہوگا..... اس وقت میری باتیں اسے بری لگ رہی تھیں۔ اس کا جرم بہت بڑا ہے، ماں باپ کی عزت کا جنازہ نکالنا چھوٹی سی بات نہیں ہوتی۔ اسے پچھتانے دیں..... اس نے غلطی کی ہے تو سزا بھی اسے بھگتنی پڑے گی۔ میں اسے گھر آنے کی اجازت ضرور دوں گا لیکن ابھی نہیں..... ابھی اسے وہیں رہنے دیں تاکہ وہ حقیقتوں کا چہرہ غور سے دیکھ سکے۔'' اسفند یار نے سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا..... ان کے لہجے کی قطعیت نے مزید بحث کی گنجائش ہی ختم کردی تھی۔ شہربانو کا دل اداس ہوگیا لیکن انہیں اسفند یار کے رویے میں لچک کی امید بھی نظر آئی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن میں آگئیں۔ اسفند یار کی نظریں بدستور اخبار پر تھیں انہوں نے ایک بار بھی نظریں اخبار سے نہیں ہٹائیں۔ نہ جانے وہ واقعی اخبار پڑھ رہے تھے یا کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اپنے کمرے میں بیٹھی ہما نے اپنے ماں باپ کی گفتگو کا ایک، ایک لفظ سنا تھا۔ چھوٹا سا فلیٹ تھا، آوازیں ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک بخوبی سنی جاتیں۔ اسے سارہ کی حالت پر بے حد دکھ ہوا..... ایک غلط اور جذباتی فیصلے نے اس کی زندگی تباہ کردی تھی۔

اس کے موبائل پر ازمیر کی کال آنے لگی تو وہ موبائل لے کر ٹیرس پر آگئی۔ چھوٹا سا بالکونی نما ٹیرس اس گھر میں کھلی فضا کی واحد جگہ تھا۔

''ہیلو ہما.....! سوری اس وقت تمہیں ڈسٹرب کیا ہے، مجھے تم سے ضروری کام تھا۔'' ہما نے فون ریسیو کیا تو ازمیر نے چھوٹتے ہی کہا۔

''ہاں، ہاں کہو، میں سن رہی ہوں..... سب خیریت تو ہے ناں.....؟'' ہما ریلنگ کے ساتھ کھڑی ہو کر بولی۔

''ہاں، مجھے اچانک گاؤں آنا پڑا ہے، یوں سمجھ لو بہت ایمرجنسی تھی۔ کل سب کی اسائنمنٹس ملیں گی تو میری اسائنمنٹ تم اپنے پاس رکھ لینا اور پلیز میری لیو ایپلیکیشن بھی دے دینا۔ میں شاید کچھ دنوں تک واپس نہ آسکوں.....'' ہما چونک گئی، ازمیر کے لہجے میں عجیب سا تجسس تھا۔

''وہ تو سب ٹھیک ہے، میں یہ کام کردوں گی لیکن ہوا کیا ہے، کیا ایمرجنسی پڑگئی تمہیں؟'' ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو اُڑا رہی تھی۔ اس نے بے اختیار دوپٹے سے بال چھپاتے ہوئے پوچھا۔

''یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا ہوں، واپس آکر بتاؤں گا لیکن فکر مت کرو، سب خیریت ہے، آکر کوئی خوش خبری ہی سناؤں گا۔'' ازمیر کے لہجے

میں مسکراہٹیں چھلک رہی تھیں۔

ہما نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ اسے تشویش ہونے لگی، آخر ایسی کیا بات تھی جو ازمیر نے باوجود خوش ہونے کے نہیں بتائی، کوئی خوش خبری تھی، کہیں ازمیر کی منگنی تو نہیں ہو رہی....؟ اس کے دل کو زوردار دھچکا لگا۔ ٹھنڈی ہوا نے یک دم اس کے وجود میں کپکپاہٹ بھر دی۔

''اگر اس کی منگنی ہو بھی رہی ہے تو اس بات سے بھلا مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔'' اس نے بے پروائی سے سر جھٹکا لیکن دل کہیں اندھیروں میں ڈوبا جا رہا تھا۔ وہ اپنی کیفیت سے خود ہی خوفزدہ ہو گئی۔

''نہیں، مجھے سارہ کی طرح کوئی جذباتی فیصلہ نہیں کرنا...... یہ محبت وجبت انسان کو کچھ نہیں دیتی...... الٹا زندگی تباہ کر دیتی ہے۔ مجھے سارہ کی زندگی سے سبق لینا چاہیے۔'' ہما نے خود کو سمجھایا...... وہ ازمیر کو پچھلے چار سالوں سے جانتی تھی وہ بلاشبہ ایک بہترین لڑکا تھا۔ کوئی بھی لڑکی اس سے آسانی سے متاثر ہو سکتی تھی۔ وہ کلاس کا سب سے ذہین اور سب سے ہینڈسم لڑکا تھا۔ اگر ہما کے دل میں اس کے لیے خاص جذبات ابھر آئے تھے تو یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھی۔ ہما نے بے اختیار اپنا سر تھام لیا...... اسے اندازہ ہوا کہ بعض دفعہ لاکھ کوشش کرنے کے باوجود بھی انسان ذہن سے فیصلہ نہیں کر پاتا۔

ازمیر نے ہما کا فون بند کیا اور سیٹی پر کوئی دھن بجاتا لاؤنج میں چلا آیا۔ جہاں ہر طرف افراتفری کا سماں تھا۔

''میرا تو بس نہیں چل رہا کہ ابھی بازار چلی جاؤں۔ اتنی شاپنگ کرنی ہے، خدا تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اتنے برسوں بعد خوشی کا دن دکھایا ہے۔'' صائمہ دوپٹے کے پلّو سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔ ملازمائیں، مٹھائیوں کے ٹوکرے ٹیبل پر رکھ رہی تھیں۔ جہانگیر شاہ کے پہلو میں عماد مسکراہٹ دبائے بیٹھا تھا۔

''ابھی تو دیر ہو گئی ہے، کل صبح سویرے ہی تم لوگ بازار کے لیے نکل جانا...... جی بھر کر شاپنگ کرنا...... آخر جہانگیر شاہ کے بیٹے کی شادی ہے، کہیں کوئی کسر نہیں رہنی چاہیے۔'' جہانگیر شاہ.... بے تحاشا خوش تھے۔ ازمیران کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

''لیکن ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ آخر سکندر شاہ اتنی آسانی سے کیسے مان گیا۔ اس نے تو منہ بھر کر انکار کر دیا تھا۔ کس چیز نے اسے یوں اچانک بدل دیا۔'' نبیلہ شاہ نے پُرسوچ انداز میں کہا۔

''جب خدا کا حکم ہو تو انسان کی کیا مجال کہ انکار کرے...... ویسے بھی انسانوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ایک پل کے لیے تو میں خود بھی حیران ہو گیا جب اس نے خود فون کر کے شانزے اور عماد کے رشتے کی حامی بھری...... خدا جانے کیا ماجرا ہے لیکن ہمیں اس سے کیا...... ہمارا مسئلہ تو حل ہو گیا ناں......'' جہانگیر شاہ نے منہ میں گلاب جامن رکھتے ہوئے کہا۔

''میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ وہ شخص اتنی بڑی چیز نہیں ہے، آپ لوگوں نے یونہی اسے ہوّا بنایا ہوا تھا۔'' ازمیر نے بھی مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

''سچ کہا تم نے بیٹا، تقدیر لکھنے والے ہاتھ انسان کے نہیں ہوتے، اس لیے انسانوں سے ڈرنا بیکار ہے۔'' صائمہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ آج بڑی خوشی کا دن تھا۔ سب کے چہروں پر رنگ تھے، خوشیاں تھیں، صائمہ آبدیدہ ہو گئیں۔ جہانگیر شاہ نے اٹھ کر بہن کو گلے سے لگایا۔ برسوں بعد اِک خواہش پوری ہونے جا رہی تھی۔ جن خواہشوں کے حصول کے لیے دعائیں مانگی جائیں، وہ خواہشیں انسان کو بہت عزیز ہوتی ہیں۔

☆☆☆

سکندر شاہ بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ دنوں کی بیماری نے انہیں برسوں کے مریض کی طرح نڈھال کر دیا تھا۔ صوفے پر بیٹھا وکیل کچھ ضروری کاغذات تیار کر رہا تھا۔ سامنے ٹیبل پر چائے کے لوازمات رکھے تھے۔

''شاہ صاحب! وصیت تیار کرنے سے پہلے میں چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' سکندر شاہ نے سوالیہ نظروں سے وکیل کی سمت دیکھا۔

''جائیداد کی تقسیم میں شرعی احکامات کو مدِّنظر رکھیے گا شاہ صاحب......! حق داروں کو ان کا حق انصاف کے ساتھ ملنا چاہیے تاکہ دنیا سے جاتے وقت انسان کے دل پر کوئی بوجھ نہ ہو اور...... پروردگار کے حکم سے روگردانی بھی نہ ہو۔'' سکندر شاہ نے عجیب سی نظروں سے وکیل کی سمت دیکھا اور تکیے کے سہارے بیٹھ گئے۔

''بعض فیصلے بہت مشکل ہوتے ہیں وکیل صاحب، انسان چاہتے ہوئے بھی انصاف نہیں کر سکتا۔'' سکندر شاہ کی آواز میں تھکن تھی۔

''اسی لیے میں نے آپ سے کہا کہ تمام فیصلے شریعت کے مطابق کیجیے...... جہاں خدا کے احکام نمایاں ہوں وہاں انسان کو اپنی مرضی نہیں کرنی چاہیے۔''

سکندر شاہ کچھ دیر خاموشی سے خلا میں دیکھتے رہے۔

''آپ وصیت لکھیے......'' انہوں نے بالآخر کوئی فیصلہ کر لیا...... وکیل صاحب نے فائل کھول کر قلم پکڑ لیا۔

باہر بیٹھی زائرہ بیگم عجیب شش و پنج میں گرفتار تھیں۔ سکندر شاہ کی طبیعت خراب تھی یہ اتنی تشویش کی بات تو نہیں تھی، اس عمر میں چھوٹی موٹی تکالیف چلتی رہتی ہیں۔ وکیل صاحب بھی اکثر و بیشتر مختلف کاموں کے سلسلے میں آتے رہتے تھے لیکن اس بار کچھ ایسا ضرور تھا جو انہیں چونکا رہا تھا۔ ان کی چھٹی حس کوئی الارم دے رہی تھی۔ کافی دیر گزر گئی لیکن

کچھ کھٹّا کچھ میٹھا

ایک سردار جی کے چہرے پر زخم آیا تو نشان بن گیا۔ کسی نے کہا پلاسٹک سرجری کروالو نشان مٹ جائے گا۔ وہ پلاسٹک سرجن کے پاس گئے انہوں نے سردار جی کو یقین دلایا کہ نشان مٹ جائے گا۔ سردار جی نے فیس پوچھی تو ڈاکٹر نے کہا پچاس ہزار۔ سردار جی کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔ ''ڈاکٹر صاحب! اگر میں پلاسٹک اپنا لے آؤں تو پھر کتنی فیس ہوگی؟''

ڈاکٹر جل کو بولا۔ ''سردار جی، پلاسٹک لے کر میرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں بس گھر میں چولھے پر گرم کرنا اور منہ پر چپکا لینا۔''

☆☆

بیوی۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔''
شوہر۔ ''اوہ، میں تو شاپنگ پر جانے کا سوچ رہا تھا۔''
بیوی۔ ''میں تو مذاق کر رہی تھی۔''
شوہر۔ ''میں بھی مذاق کر رہا تھا چلو روٹی پکاؤ۔''

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاول نگر

کنارہ

سنو تمہیں علم ہے
کہ تم میری
محبت کا کنارہ ہو
اور
کنارے ساتھ چلتے ہیں
کنارے مل نہیں پاتے

مرسلہ: صائمہ سجاد، بنگش، کوہاٹ

سکندر شاہ کے کمرے سے کوئی گرین سگنل نہیں ملا۔

زریاب بیزاری سے بیٹھا موبائل پر کوئی گیم کھیل رہا تھا۔

''آپ نے یونہی ایمر جنسی میں مجھے بلوالیا...... سارا ٹرپ خراب ہوگیا۔ ایسا کون سا ضروری کام تھا جو میرے بغیر نہیں ہوسکتا تھا۔'' وہ چیونگم چباتے ہوئے بیزاری سے بولا۔

''بیٹا تمہارے بابا نے تمہیں بلوانے کی خاص تاکید کی تھی پھر اُن کی طبیعت بھی تو خراب ہے، نتاشا کی شادی بھی ہمیں جلدی میں کرنی پڑی۔'' زائرہ بیگم نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بابا کو مجھ سے کیا کام پڑگیا، ماما میری بھی کوئی پرسنل لائف ہے، میں اس طرح کی ایموشنل بلیک میلنگ سے ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ بابا کی طبیعت خراب ہے تو کسی ڈاکٹر کو بلوائیں، اس وکیل کو کیوں بلوالیا؟'' وہ پیر ہلاتے ہوئے بدلحاظی سے بولا۔

زائرہ بیگم خاموش ہوگئیں، تھوڑی دیر بعد سکندر شاہ نے انہیں اور زریاب کو اپنے کمرے میں بلوالیا۔ دلاور شاہ اور فرح بیگم بھی آگئے۔ سب ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

سکندر شاہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کی اصل بیماری سے گھر والے ابھی تک لاعلم تھے۔

''شاہ صاحب نے اپنی وصیت تحریر کروائی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ آپ سب بھی اس کے متعلق جان لیں۔'' وکیل نے فائل میں سے چند کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔

''ارے سکندر ابھی سے وصیت بنوانے کی کیا ضرورت تھی، اس عمر میں چھوٹی موٹی بیماریاں تو ساتھ چلتی رہتی ہیں۔'' دلاور شاہ نے اچنبھے سے کہا۔

''مجھے جلدی ہے بھائی صاحب! عمر کے اس حصے میں آکر میں نے جانا ہے کہ بعض دفعہ اہم معاملات میں جلدی کرنا کتنا ضروری ہوتا ہے۔'' سکندر شاہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا...... ان کی آنکھوں کے حلقے گہرے ہوگئے تھے۔

''کیا ہوگیا ہے سکندر......! تم یوں حوصلہ ہارنے والے بندے تو نہیں تھے۔ سکندر شاہ کے قدموں سے تو زمین کانپتی تھی، اس نام سے ایک زمانہ ڈرتا تھا۔'' دلاور شاہ بھائی کے قریب آبیٹھے۔

''انسان کی اوقات اتنی نہیں ہوتی جتنی وہ سمجھ بیٹھتا ہے۔'' ان کے لہجے نے سب کو چونکا دیا۔ سکندر شاہ نے پل بھر کے لیے آنکھیں موندلیں۔

''آپ نے تو اس بیماری کو سر پر سوار کرلیا ہے، کل ڈاکٹر کے پاس چلیے گا۔ انشاء اللہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوجائیں گے۔'' زائرہ بیگم نے انہیں تسلی دی۔

''میں آپ سب کو بتانا چاہتا ہوں کہ شانزے کا رشتہ میں نے عماد شاہ کے ساتھ طے کردیا ہے اور اب جلد ہی اس کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

ان کی بات پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔ بیوی بھی بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ سکندر شاہ کی شخصیت میں آیا یہ انقلاب سب کو حیران کررہا تھا۔

''سکندر! تم نے اتنا بڑا فیصلہ یوں اچانک اور اکیلے کرلیا...... کم از کم کسی سے مشورہ تو کرتے...... اور جہانگیر شاہ کے بیٹے سے رشتہ جوڑنے کے لیے تم کیسے مان گئے، کیا تم سب کچھ بھول چکے ہو......؟ سکندر ہم تمہارے اس فیصلے کی وجہ جاننا چاہتے ہیں۔'' دلاور شاہ کے لہجے میں بے پناہ حیرانی تھی۔ کوئی بھی سکندر شاہ سے اس اقدام کی توقع نہیں کرسکتا تھا۔

''شانزے کے لیے جہانگیر شاہ کے گھر سے بہتر گھر نہیں ہوسکتا تھا۔ ہمیں احساس ہے کہ اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے اسی لیے ہم نے ذاتی عناد کو بھلا کر پہلی بار اس کی بہتری کے لیے سوچا...... زندگی کا کوئی بھروسا نہیں...... نہ جانے ہمارے بعد

اس کے ساتھ کیا سلوک ہوتا...... کچھ بھی ہے آخر وہ سکندر شاہ کی بیٹی ہے۔'' زائرہ بیگم نے بے اختیار پہلو بدلا...... دلاور شاہ پُرسوچ نظروں سے چھوٹے بھائی کو دیکھنے لگے۔

سکندر شاہ نے وکیل کو اشارہ کیا تو اس نے فوراً وصیت کے کاغذات سامنے رکھے اور عینک لگا کر پڑھنے لگا۔

''سکندر شاہ صاحب نے اپنی تمام جائداد شرعی طریقے سے اپنے وارثوں میں تقسیم کردی ہے۔'' وکیل صاحب لمحے بھر کو رکے۔ زائرہ بیگم نے الجھے ہوئے انداز میں انہیں دیکھا۔

''ان کے وارثوں میں ان کی ایک بیوی زائرہ شاہ، دو بیٹیاں شانزے شاہ اور نتاشا شاہ... اور......'' وکیل صاحب رک کر کاغذ پر کچھ لکھنے لگے۔

شانزے کا نام سن کر زائرہ بیگم کے دل کو دھکا سا لگا۔ ایک بہترین رشتے کے ساتھ اسے جائداد میں بھی حصہ مل رہا تھا۔ ان کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔

''اور ان کے دو بیٹے زریاب شاہ اور ازمیر شاہ شامل ہیں۔'' زائرہ بیگم کے سر پر گویا کمرے کی چھت آگری۔

''ازمیر شاہ......؟'' ان کے ہونٹوں سے... بے اختیار نکلا۔

''جی ہاں...... ازمیر سکندر شاہ......'' وکیل صاحب اطمینان سے بولے۔

☆☆☆

''ماما......! یہ بابا نے اچھا نہیں کیا...... ساری زندگی تو ان دونوں کو پوچھا نہیں اور جب جائداد کی تقسیم کا وقت آیا تو انہیں ہمارے برابر کا حصے دار بنادیا۔ دس از ناٹ فیئر......'' زریاب سخت غصے میں تھا۔

''پتا نہیں تمہارے بابا کو اچانک کیا ہوگیا ہے۔ ازمیر شاہ کو تو شاید انہوں نے کبھی دیکھا بھی نہیں ہوگا اور اس شانزے کو دیکھو...... کیسے مظلومیت کے ڈرامے رچا کے باپ کی ہمدردیاں سمیٹ لیں۔'' زائرہ بیگم کا بی پی ہائی ہورہا تھا۔

''میں شہر جارہا ہوں اور پلیز اب آپ مجھے جذباتی بلیک میلنگ کرکے دوبارہ مت بلوایئے گا۔'' وہ بدتمیزی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ زائرہ بیگم نے اپنا سر تھام لیا...... ہر بازی ہاتھ سے نکلتی جارہی تھی۔

شانزے ٹرے میں سوپ کا پیالہ رکھ کر باپ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ کمبل اوڑھے لیٹے تھے۔ شانزے نے پیالہ سائڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''بابا جان سوپ پی لیجیے۔'' وہ دھیرے سے بولی تھی۔ وہ چند لمحے اسے یونہی دیکھتے رہے۔ نیلے رنگ کے ملگجے لباس میں ملبوس اس نے دوپٹا سر پر اوڑھا ہوا تھا۔ بالوں میں درمیان سے مانگ نکال کر کس کر چوٹی بنائی ہوئی تھی۔ اس کا صبیح چہرہ ہر قسم کی آرائش سے پاک چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہا تھا۔ سیاہ آنکھیں مقناطیسی کشش رکھتی تھیں۔

وہ صائمہ شاہ سے کس قدر مشابہ تھی۔ سکندر شاہ نے بے اختیار نظریں پھیر لیں اور ازمیر شاہ...... انہیں سڑک پر ملنے والا وہ سرپھرا سا نوجوان یاد آیا...... سرخ وسفید چہرے والا وہ لڑکا جس کی بھوری آنکھیں سنہری دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ جس کے انداز کی بے نیازی نے انہیں بے تحاشا غصہ چڑھا دیا تھا۔ وہ ہو بہو ان کا عکس تھا...... سکندر شاہ کی جوانی...... ان کا بیٹا جسے انہوں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا...... وہ کیسے باپ تھے...... اپنی اولاد کو اپنی انا پر قربان کردیا...... وہ کسی کو کیسے بتاتے کہ وہ سارا دن کیا سوچتے رہتے ہیں۔ اب تو سوچنے کا وقت ملا تھا۔ نہ جانے کتنے گھنٹے گزر جاتے انہیں سوچتے ہوئے، انہیں خبر ہی نہ ہو پاتی۔ وہ زندگی کے کیسے دور میں داخل ہوگئے تھے۔ شاید زندگی کا آخری دور

انسان کو یونہی بدل دیتا ہے۔

کب کمرے کی روشنی اندھیرے میں بدل جاتی ......انہیں علم ہی نہ ہو پاتا۔ ان کا ذہن کسی دوسری دنیا میں ہی سفر کرتا رہتا...... دوسری دنیا ماضی کی دنیا تھی۔

☆☆☆

سخاوت شاہ اپنے علاقے کے بڑے زمیندار تھے۔ ان کی دو ہی اولادیں تھیں...... جہانگیر شاہ اور صائمہ شاہ...... جہانگیر شاہ حال ہی میں شہر سے تعلیم مکمل کر کے آیا تھا۔ صائمہ شاہ کی نسبت بچپن سے ہی سیفی کے ساتھ طے تھی جو اس کا خالہ زاد تھا اور یتیم ہونے کے باعث ان ہی کے ساتھ رہتا تھا۔ بالغ ہونے پر اس کا کمرا مردانے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ صائمہ اور سیفی کی محبت وقت کے ساتھ پروان چڑھتی گئی۔ دونوں مطمئن تھے۔ انہیں زمانے اور ظالم سماج کا خوف نہیں تھا۔ سیفی اب شہر میں پڑھ رہا تھا اور چھٹیوں میں گاؤں آتا، صائمہ اس کے آنے کے دن گنا کرتی۔

''تمہاری اتنی کم چھٹیاں کیوں ہوتی ہیں؟ اتنے عرصے بعد گاؤں آتے ہو؟'' بالوں کی دو چٹیا بنائے، وہ دھانی رنگ کا آنچل اوڑھے موم کی گڑیا لگ رہی تھی۔ فضا میں مالٹوں کی مہک رچی بسی تھی۔ مالٹوں کے باغ میں درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا سیفی دھیرے سے مسکرایا۔

''فضول میں کالج سے چھٹیاں کروں گا تو پڑھائی کا حرج ہوگا پھر میں بڑا آدمی کیسے بنوں گا، تمہارے لیے بڑا گھر کیسے بناؤں گا؟'' اس نے شاخوں پر بیٹھے پرندوں کو دیکھ کر کہا۔

''میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے، تم خود کو ہم لوگوں سے الگ کیوں سمجھتے ہو۔ بابا جان تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔'' صائمہ نے انگلی پر آنچل کا کونہ لپیٹتے ہوئے کہا۔

''نہیں صائمہ......! میں اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں، تمہارے بابا کا سب کچھ جہانگیر بھائی اور تمہارا ہے، میرا ان چیزوں پر کوئی حق نہیں ہے۔ میری عزتِ نفس کبھی یہ گوارا نہیں کرے گی کہ میں بالغ ہونے کے بعد بھی خالو جان پر بوجھ بنا رہوں...... تم فکر نہ کرو، میں تمہیں سب کچھ دوں گا لیکن اپنے بل بوتے پر۔'' سیفی نے سینے پر دونوں ہاتھ باندھ لیے۔ صائمہ نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔

''بابا نے تمہیں کبھی غیر نہیں سمجھا سیفی۔'' صائمہ نے ہاتھ بڑھا کر ایک مالٹا توڑ لیا۔

''یہ ان کا بڑا پن ہے، مجھے بھی اپنا بڑا پن دکھانا چاہیے۔'' سیفی نے نظریں اس کے چہرے پر ٹکا دیں۔ صائمہ خوب صورتی اور معصومیت کا حسین امتزاج تھی۔ برف جیسی سفید رنگت، اماوس کی رات جیسے گہرے سیاہ بال، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں جن پر گھنی پلکوں کا سایہ رہتا...... سرخ گلابوں جیسے ہونٹ بلاشبہ وہ ایسی لڑکی تھی جس پر سے نظریں ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔

''کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ دنیا میں تم سے زیادہ خوب صورت لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔'' سیفی اسے دیکھتے ہوئے کھوئے کھوئے انداز میں بولا تھا۔ صائمہ بے اختیار ہنس دی۔

''میں بھی ایسا ہی سوچتی ہوں، دنیا میں تمہارے جیسا اچھا اور گبرو جوان اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''کبھی کبھی مجھے ڈر لگنے لگتا ہے، دل میں عجیب سے وہم آنے لگتے ہیں کہیں کچھ ایسا نہ ہو جائے جو ہمیں جدا کر دے۔'' سیفی کا لہجہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔ صائمہ کی ہنسی تھم گئی۔

''کیسی باتیں کرتے ہو، ایسا کیوں ہو گا بھلا...... ہمارا ملن تو طے ہے، بعض دفعہ تم بہت منفی باتیں سوچتے ہو، ہمیشہ اچھا ہی سوچنا چاہیے۔''

صائمہ نے دہل کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''ہوں...... شاید میں کبھی کبھی بہت اداس ہو جاتا ہوں، ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے، میری زندگی میں بہت محرومیاں آئی ہیں، شاید اس لیے دل میں خوف جڑ پکڑ لیتا ہے۔ تم نہیں سمجھو گی، محروم اور تنہا انسان بہت خوفزدہ رہتا ہے۔ والدین کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا۔'' سیفی نے خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔ صائمہ نے اس کی اداسی کو شدت سے محسوس کیا......

دفعتاً درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے کسی کی چاپ ابھری۔ سیفی سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والا گاما تھا۔ وہ گھبرایا ہوا سیفی کے نزدیک آیا۔ صائمہ نے بے اختیار دوپٹا سر پر اوڑھ لیا۔

''چھوٹے صاحب غضب ہو گیا جی۔''

گاما پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ بولا۔ صائمہ نے رخ بدل لیا۔ سیفی نے تشویش سے گامے کو دیکھا۔

''کیا ہوا گامے...... سب خیریت تو ہے ناں......؟''

''نہیں چھوٹے صاحب اب خیریت نہیں رہی۔ چھوٹے شاہ (جہانگیر شاہ) کا بہادر شاہ سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا، بات آگے تک بڑھ گئی، بہادر شاہ نے چھوٹے شاہ کو گالی دی بس چھوٹے صاحب برداشت نہیں کر سکے اور گولی چلا دی۔ بہادر شاہ کا بچنا مشکل ہے جی، گولی سیدھی دل پر لگی ہے۔'' گاما نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے اطلاع دی۔

''اوہ خدایا......'' سیفی نے بے اختیار کہا......

صائمہ کا دل کانپنے لگا۔ واقعہ معمولی نہیں تھا۔ بہادر شاہ، حشمت شاہ کا چھوٹا بیٹا تھا اور حشمت شاہ ساتھ والے گاؤں کا بے تاج بادشاہ اور بڑا زمیندار تھا۔ وہ دونوں جلدی سے سفید حویلی پہنچے۔ سخاوت شاہ اپنے بیٹے جہانگیر شاہ پر خوب گرم ہوئے۔ وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ جذبات میں آ کر اس نے انتہائی غلط قدم اٹھایا تھا۔

''اگر اس نے تمہیں گالی دی تھی تو تم بھی اسے گالی ہی دیتے۔ اس پر گولی چلانے کی کیا ضرورت تھی۔ ہتھیار کو کھلونے کی طرح استعمال نہیں کیا کرتے...... تم جانتے نہیں ہو حشمت شاہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس کے بیٹے پر گولی چلانے کا مطلب اپنی موت کو خود دعوت دینا ہے۔'' سخاوت شاہ بے حد غصے کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ جہانگیر نے نظریں نہیں اٹھائیں۔

''اگر بہادر شاہ کو کچھ ہو گیا تو تمہیں پھانسی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ زندگی اور موت کو کھیل سمجھ رکھا ہے تم نے...... ابھی پولیس آتی ہو گی اوہ خدایا! نہ جانے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے مجھے۔'' سخاوت شاہ کا تنفس تیز ہو گیا...... سیفی دوڑ کر ان کے لیے پانی کا گلاس لے آیا۔

''لے جاؤ اسے۔'' انہوں نے ہاتھ مار کر گلاس پرے پھینکا۔

''زہر لے آؤ میرے لیے، اب جو ہونے والا ہے...اسے دیکھنے سے بہتر ہے میں مر ہی جاؤں۔'' وہ گرج دار آواز میں چلائے اور کرسی پر ڈھے گئے۔ سیفی تو تسلی کے دو لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ جہانگیر کو معاملے کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا لیکن پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس آ کر جہانگیر کو تھانے لے گئی۔ سخاوت شاہ کی ہمت ٹوٹ گئی۔ صائمہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔ سیفی خاموشی سے سب دیکھتا رہا۔ آناً فاناً اِک قیامت برپا ہو گئی تھی۔

''اچھا ہوا جہانگیر کی ماں پہلے ہی مر گئی...... یہ وقت دیکھنے کو زندہ نہ رہی۔ میں بد نصیب ان مصائب سے نمٹنے کو تنہا رہ گیا ہوں۔'' سخاوت شاہ نے خود کلامی کی...... جوان بیٹا جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھا اور جرم بھی ایسا کہ جس میں بچنے کا چانس صفر تھا۔ بہادر شاہ کا انتقال ہو گیا اور دشمنی کی راہ کھل گئی۔ حشمت شاہ کسی صورت جہانگیر شاہ کو معاف کرنے پر

راضی نہیں تھا۔ وہ لوگ تو اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ سخاوت شاہ دنوں میں ہی بوڑھے ہوگئے، سیفی ان کے ساتھ وکیلوں کے پاس چکر لگاتا، دیگر سرداروں کی منتیں کرتا، اس کی پڑھائی کا بہت حرج ہوا کہ وہ امتحان کی تیاری بھی نہ کرسکا۔ زندگی ایک دم بدل گئی تھی اور نہ جانے ابھی کیا کچھ بدلنا باقی تھا۔ سخاوت شاہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگالیا۔ چند بڑے سرداروں کو بیچ میں ڈالا تاکہ مسئلے کا حل نکل آئے۔ جرگے نے حشمت شاہ کے سامنے دو آپشن رکھے...... ایک تو یہ کہ جہانگیر شاہ کو پھانسی ہوجائے، دوسرا یہ کہ سخاوت شاہ اپنی نہر والی زمین حشمت شاہ کے نام کردے۔ اس کے علاوہ سو تولے سونا یا اس کے برابر رقم اور اپنی بیٹی کا رشتہ حشمت شاہ کے بیٹے کو دے دے۔ حشمت شاہ ایک زمیندار تھا۔ وہ آدھی سے زیادہ جائداد اپنی عیاشیوں پر لُٹا چکا تھا۔ اس نے جذبات کے بجائے عقل سے فیصلہ کیا اور دوسرا آپشن قبول کرلیا۔ سخاوت شاہ اس دن بہت روئے۔ بیٹا بھی عزیز تھا اور بیٹی بھی...... قسمت نے انہیں عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

''یہ ناانصافی ہے، خالو جان! صائمہ بے قصور ہے، وہ بھی آپ کی اولاد ہے، یہ کہاں کا دستور ہے کہ بھائی کے جرم کی سزا بہن کو دی جائے...... اگر جہانگیر بھائی نے جرم کیا ہے تو سزا بھی انہی کو ملنی چاہیے۔'' سیفی، سخاوت شاہ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

''صائمہ میری بیٹی ہے، میں جو چاہے فیصلہ کرسکتا ہوں' مجھے اس بارے میں کسی سے مشورے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سخاوت شاہ نے رکھائی سے کہا...... انہوں نے سیفی کی حیثیت دو کوڑی کی کردی۔ سیفی کو اپنی ہتک کا شدید احساس ہوا لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔

''خالو جان......! صائمہ وہاں مرجائے گی، وہ لوگ وحشی درندے ہیں۔ وہ صائمہ کو پل، پل اذیت دیں گے، صائمہ میری منگیتر ہے اور میری غیرت کبھی یہ برداشت نہیں کرے گی کہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہو۔ وہ بے قصور ہے، اسے ایسی کربناک سزا نہیں ملنی چاہیے۔'' سخاوت شاہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہوگئے۔

''اپنی حیثیت مت بھولو سیفی، یہ رشتہ ہم نے اپنی مرضی سے طے کیا تھا اور اب اپنی مرضی سے ختم کررہے ہیں، ہمیں حالات کے مطابق فیصلہ کرنا ہے، تم کیا سمجھتے ہو ہمارے لیے یہ فیصلہ آسان تھا۔ تم ابھی باپ نہیں بنے...... جب باپ بنو گے تب ہمارا درد سمجھو گے، ہم جیتے جی اپنے بیٹے کو پھانسی لگتے نہیں دیکھ سکتے۔ صائمہ کا رشتہ سکندر سے طے ہوا ہے اور ہماری معلومات کے مطابق وہ ایک معقول لڑکا ہے۔''

سیفی کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ فیصلے ہوچکے تھے اور اس کی اتنی حیثیت نہیں تھی کہ وہ یہ فیصلے بدل سکتا۔ صائمہ نے اپنی محبت کی قربانی دے دی۔ وہ خاموشی سے دلہن بن کر حشمت شاہ کی حویلی میں آگئی۔ وہاں اس کا استقبال اِک خاموشی اور نفرت سے کیا گیا۔ ہر آنکھ میں اس کے لیے تحقیر، نفرت اور غصہ تھا...... اسے پرانے اسٹور میں رکھا گیا۔ ٹھنڈی زمین پر اس کا بستر تھا۔ دھول مٹی سے اٹا چھوٹا سا اسٹور اس کا حجلۂ عروسی بنا۔ صائمہ کو اپنے نصیب پر رونا آگیا۔ بہادر شاہ کی ماں دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکی اور بے رحمی سے اسے پیٹنے لگی۔ تھپڑ، لاتیں، گھونسے، ڈنڈے، صائمہ کو بری طرح زدوکوب کیا گیا۔ وہ خاموشی سے مار کھاتی رہی۔ جسم کی تکلیف نے روح کو بھی تار تار کردیا تھا۔

''دل پر گولی لگی تھی میرے بہادر کے، دل پر گولی لگی تھی میرے بہادر کے، تڑپ تڑپ کے جان دے دی اس نے، میرا بے گناہ گبرو جوان بیٹا یوں بے رحمی سے مارا گیا اور قاتل ابھی تک کھلے عام گھوم رہا ہے، تو قاتلوں کی لڑکی ہے، ہائے ربّا......!

میرے بیٹے کے قاتلوں کی لڑکی اب میرے گھر میں رہے گی، یہ دن دیکھنے سے پہلے مجھے موت کیوں نہ آ گئی۔'' عالیہ بیگم کے بین شروع ہو گئے...... چیخ چیخ کے اس کا گلا بیٹھ گیا۔ اس نے صائمہ کے بال ہاتھوں میں جکڑ کے کھینچے۔ تکلیف کی شدت سے صائمہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ زندگی نے اسے سخت آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اس کی زندگی کے سیاہ ترین دور کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے دن میں ایک وقت کھانا دیا جاتا وہ بھی ایسا جیسے جانوروں کو دیا جاتا ہے، اس کی حیثیت گھر میں نوکرانیوں سے بدتر تھی۔ اس کے ذمے سارے گھر کے کام تھے۔ شہزادیوں کی طرح رہنے والی لڑکی کنیزوں سے بدتر زندگی گزار رہی تھی۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے بیٹیاں شاہوں کی ہوں یا کمیوں کی بعض دفعہ ان کے نصیب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ سیفی دل برداشتہ ہو کر شہر چلا گیا۔ اس نے جیسے تیسے امتحان دیے اور شہر میں ہی رہنے لگا۔ اس کا دل گاؤں سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ اس نے ایک معمولی دکان پر... سیلزمینی کی نوکری کر لی۔

صائمہ کا جسم نیلوں سے بھرا رہتا۔ اس کے چہرے پر جا بجا نشان پڑ چکے تھے۔ اکثر رات کے آخری پہر سکندر شاہ نشے میں ڈوبا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوتا۔ اسے بری طرح زدوکوب کرنے کے بعد وہ صبح ہوتے ہی واپس چلا جاتا۔ صائمہ کا دل چاہتا کہ وہ مر ہی جائے۔ وہ اپنا حسین ماضی یاد کرتی جب وہ اپنے گھر کے آنگن میں تتلی کی طرح اڑتی پھرتی تھی۔ اس کی زندگی میں رنگ ہی رنگ تھے۔ اس کے دل کا آسمان سیفی کی محبت کے سورج سے جگمگاتا تھا۔ سیفی کا نام دل کا درد مزید بڑھا دیتا۔

آہ محبت......

تیرے کتبے کے قریب کھڑی میں
اپنی حرماں نصیبی پر آنسو بہا رہی ہوں

☆☆☆

وقت گزرتا رہا، صائمہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی۔ دن رات کی مشقت اور اذیت نے اس کے ذہن پر بھی برا اثر ڈالا تھا۔ دنیا نے اس سے اس جرم کا انتقام لیا تھا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔ اس حال میں اس نے شانزے کو جنم دیا۔ شانزے کی آمد پر گھر کے کسی فرد نے خوش دلی کا اظہار نہ کیا، اسے سکندر شاہ کی بیٹی نہیں بلکہ صرف صائمہ کی بیٹی سمجھا جاتا۔ صائمہ کی روح روز کفن اوڑھتی اور کبھی نہ اٹھنے کی خواہش لیے سو جاتی۔ سیفی آخری بار گاؤں آیا اور اسے صائمہ کی بیٹی ہونے کی اطلاع ملی۔ اس نے نم آنکھوں کے ساتھ اس خبر کو سنا پھر اپنا سامان باندھ کر ہمیشہ کے لیے شہر آ گیا۔ اس کی انا پر گہری ضرب پڑی تھی، صائمہ کی یاد اس کے دل میں اُدھڑے زخم کی طرح تازہ تھی۔ آنے سے پہلے اس کی جہانگیر شاہ کے ساتھ تلخ کلامی ہوئی جس کے بعد اس نے واپس گاؤں نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب وہاں اس کا رہنا بیکار تھا۔ جہاں اس کی محبت کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا وہاں وہ بھلا کس طرح رہ سکتا تھا۔ سکندر نے بھی شانزے کو اپنی بیٹی کا مقام نہ دیا۔ عالیہ بیگم اور حشمت شاہ نے بھی اسے حویلی میں داخل نہ ہونے دیا...... وہ صائمہ کے ساتھ ہی اسی اسٹور میں رہتی اور ملازموں کے بچوں کی طرح پلتی رہی۔ صائمہ دن بھر کاموں میں مصروف رہتی اور ننھی شانزے خاموشی سے کسی کونے میں پڑی رہتی۔ وہ قدرتی طور پر بڑی صابر بچی تھی۔ سخت جاڑوں کی راتوں میں صائمہ گودام سے خالی بوریاں لے آتی اور بستر کے اوپر بچھا دیتی۔ دو بوریاں ملا کر اس میں شانزے کو لپیٹ لیتی۔ گرمی کے موسم میں وہ اسٹور کا اکلوتا روشن دان کھول لیتی جہاں سے ہوا کا گزر ہوتا...... اور سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام کرنے کے باوجود اسے راتوں کو نیند نہ آتی۔ اس کے وجود کی خوب صورتیاں دھیرے دھیرے ختم ہوتی جا رہی تھیں۔ کبھی کبھی نشے میں مدہوش سکندر بھولے بھٹکے اس کے کمرے کا رخ کرتا اور وہ رات صائمہ کی روح کو مزید بوجھل اور جسم کو زخمی کر دیتی۔ پھر صائمہ کی زندگی میں ایک انقلاب آیا۔ دلاور شاہ کا نہر کے پانی پر جھگڑا ہوا اور سخاوت شاہ کے دو بندے اس کے ہاتھوں مارے گئے۔ سخاوت شاہ نے جرگہ بلوانے کے بجائے اپنے طور پر صلح صفائی کی کوشش کی، وہ پولیس اور جرگے کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔ حشمت شاہ کو بھی بہتری اسی میں نظر آئی اور انہوں نے آپس میں شرائط طے کر لیں۔ صائمہ کو سخاوت شاہ کے گھر واپس بھیج دیا گیا اور شانزے کو حویلی میں ہی رکھ لیا گیا۔ صائمہ اس رہائی پر دھاڑیں مار کر روئی، ننھی شانزے اسے آس بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور صائمہ کو تنہا ہی جانا پڑا۔ اس نے لاکھ منتیں کیں لیکن ظالم لوگوں نے شانزے کو اس کے ساتھ نہ جانے دیا۔ صائمہ حاملہ تھی اور اسے چار ماہ کا حمل تھا، چند ماہ بعد اس نے ازمیر کو جنم دیا تو اس کی ممتا کو قرار آیا۔ دونوں خاندانوں میں صلح کے باوجود اتنی کڑواہٹ تھی کہ وہ کبھی اپنے دلوں سے نفرت اور کدورت کو ختم ہی نہیں کر سکے۔ جہانگیر کو ہر دم احساسِ جرم ستاتا کہ اس کی وجہ سے صائمہ کو اتنی تکلیفیں اٹھانی پڑیں...... ازمیر کی پیدائش کے بعد سخاوت شاہ کے کہنے پر سکندر نے صائمہ کو طلاق بھیج دی۔

صائمہ نے سیفی کا بہت انتظار کیا لیکن وہ ایسا گیا کہ کبھی لوٹ کر نہ آیا، وقت گزرتا رہا، صائمہ کے زخم مندمل نہ ہو سکے۔ اس نے اپنے دل پر صبر کی سل رکھ لی۔ ازمیر ہی اس کی کل کائنات تھا۔ جہانگیر شاہ کا احساسِ جرم وقت کے ساتھ بڑھتا رہا اور انہوں نے شانزے کو ہر صورت یہاں لانے کا فیصلہ کر لیا۔ سکندر شاہ نے دوسری شادی کر لی۔ وقت گزرتا رہا۔ نسلیں جوان ہو گئیں لیکن نفرت کی دیواریں نہ گریں۔

سکندر شاہ کے ذہن میں ماضی کسی فلم کی طرح چل رہا تھا۔ انہوں نے جہانگیر شاہ کے ذریعے صائمہ کو پیغام بھجوایا کہ وہ انہیں معاف کر دے۔ صائمہ نے بے حد حیرانی سے یہ پیغام سنا۔ کیا سکندر شاہ اس حد تک بدل چکا تھا۔ ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ آج وہ اس عورت کی معافی کا محتاج تھا جسے کبھی اس نے پیر کی جوتی کے برابر بھی نہ سمجھا تھا۔

سکندر شاہ کی بیماری زیادہ دن چھپی نہ رہ سکی۔ ہر ایک ان کی بیماری کا سن کر ششدر رہ گیا۔ وقت بدل چکا تھا۔ جب وقت بدل جائے تو انسانوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔

سکندر شاہ کا ذہن ہر دم ماضی کا سفر کرتا رہتا۔ سوچنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ شانزے ان کی دن رات خدمت کرتی۔ انہیں بیماری کے اس حصے میں آ کر احساس ہوا کہ ان کی یہ بیٹی اس قدر خدمت گزار اور سونے جیسے دل کی مالک ہے۔ نتاشا تو بس کھڑے کھڑے ان کا حال پوچھتی۔ سکندر شاہ کی بیماری کی وجہ سے شانزے کی شادی قدرے سادگی سے ہوئی۔ البتہ جہانگیر شاہ کی طرف سے ساری رسمیں دھوم دھام سے کی گئیں۔ صائمہ نے پہلی بار سرخ غرارے اور ڈھیر سارے زیورات پہنے شانزے کو دیکھا تو خود پر قابو نہ رکھ سکیں اور اسے گلے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ بیس برس بعد اپنی بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ شانزے کے لیے ہر چیز بے حد قیمتی اور اعلیٰ لی گئی۔ اس کی محرومیاں ختم ہونے کا وقت تھا۔ شانزے جب ازمیر کے کندھے سے لگی تو دونوں بہن بھائی بے اختیار رو پڑے۔ نہ جانے قصور کس کا تھا لیکن جنہوں نے بیس برس دوریوں اور محرومیوں کی سزا کاٹی، ان کے دل کے زخم کبھی مندمل نہیں ہو سکتے۔

☆☆☆

ازمیر کے اصرار پر ہما نے اس کی والدہ کو گھر

آنے کی اجازت دے دی لیکن اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر اس کے ابو نے انکار کردیا تو وہ بھی اپنے قدم پیچھے ہٹالے گی۔ سارہ کا انجام اس کے سامنے تھا۔ وہ کسی صورت اپنے ماں، باپ کو دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ شہر بانو، ازمیر کی والدہ کی آمد کا سن کر خاموش ہوگئیں۔

ازمیر اور اس کی والدہ سہ پہر کے وقت آئے، بلیو جینز اور آسمانی شرٹ میں ملبوس دراز قد ازمیر بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ گرے ساڑی پر سیاہ شال اوڑھے صائمہ شاہ ایک بے حد گریس فل عورت کا تاثر دے رہی تھیں۔ بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا جن میں کہیں کہیں سفیدی جھلک رہی تھی۔ شہر بانو نے ان دونوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ ان کے نشست و برخاست اور بات کرنے کے انداز سے خاندانی رکھ رکھاؤ ظاہر ہورہا تھا۔ اسفند یار نماز پڑھ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو بری طرح چونک گئے۔ ازمیر کے ساتھ بیٹھی صائمہ بھی بے اختیار کھڑی ہوگئیں۔ کہیں زلزلہ آیا تھا، در و دیوار مع تمام نفوس ہل سے گئے تھے۔ اسفند یار کسی مجسمے کی طرح ساکت کھڑے ہوگئے۔

''سیفی......'' صائمہ کے لب ہلے، حیرانی سی حیرانی تھی۔ ہما کے والد سیفی یعنی اسفند یار ہوں گے انہیں قطعی اندازہ نہیں تھا، جس شخص کی آمد کا انہوں نے بیس برس انتظار کیا وہ آج ان کے سامنے ان کی ہونے والی بہو کے باپ کے روپ میں موجود تھا۔ وہ قسمت کے اس پھیر پر جتنا حیران ہوتیں کم تھا۔

''آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟'' شہر بانو نے ان دونوں کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ازمیر بھی اس صورتِ حال پر حیران و پریشان رہ گیا۔

''ہوں...... میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میری پرورش میرے خالو جان کی تھی، یہ صائمہ شاہ ان ہی کی بیٹی ہیں۔ میری خالہ زاد......'' اسفند یار بروقت سنبھل کر بولے اور قریب رکھے صوفے پر بیٹھ گئے۔

''اوہ...... کیسا اتفاق ہے، چلیں اس بہانے برسوں پرانے رشتے داروں سے تو ملاقات ہوگئی۔'' شہر بانو کو یک دم خوشی کا احساس ہوا۔ ہما کی سسرال اس کی ددھیال بھی تھی اس سے زیادہ خوشی کی اور کیا بات ہوتی ورنہ اجنبی لوگوں کے خیال سے ان کا دل ڈر رہا تھا۔

''بہت وقت گزر گیا تم پلٹ کر نہیں آئے سیفی...... شاید اپنی دنیا میں بہت مصروف ہوگئے تھے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی صائمہ کے لہجے میں گلہ سمٹ آیا۔

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، وہاں حالات اس طرح کا رخ اختیار کرچکے تھے کہ میرا وہاں رہنا ناممکن تھا اور پھر کب تک انسان کسی پر بوجھ بن کر رہ سکتا ہے۔ شہر بانو میرے استاد کی بیٹی تھی، انہوں نے ہی میری شادی کروائی، تمہاری بیٹی کی پیدائش کے متعلق علم ہوا تھا پھر سوچا جب بیٹی ہوگئی تو سکندر اور اس کے گھر والے تمہیں آہستہ آہستہ قبول کرلیں گے، مجھے تمہاری علیٰحدگی کا بہت بعد میں علم ہوا۔''

اسفند یار، ازمیر کی موجودگی کے باعث محتاط انداز میں بات کررہے تھے۔ صائمہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ بہت وقت گزر چکا تھا اب گلے شکوے کرنا فضول تھا۔

''میری بڑی بیٹی سارہ کی شادی سکندر شاہ کے بڑے بھائی دلاور شاہ کے بیٹے شہر یار سے ہوئی ہے۔ عجیب اتفاق ہے...... کاش یہ اتفاق میرے ساتھ نہ ہوتا۔'' اسفند یار کی بات پر صائمہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔

''لیکن میرے علم کے مطابق تو شہر یار کی شادی سکندر شاہ کی بیٹی نتاشا سے ہوئی ہے، میں اس

کی کسی اور شادی کے متعلق نہیں جانتی۔'' اسفند یار چند لمحے چپ ہوگئے کیا سارہ کی شادی ابھی تک خفیہ تھی یا اسے خفیہ رکھنے میں کوئی راز تھا۔ ان کا ذہن الجھ گیا۔

''تم نے دلاور شاہ کے گھر اپنی بیٹی کو کیسے بیاہ دیا سیفی؟'' صائمہ کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اسفند نے لمحے بھر کو اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ اِک انی سے چبھی تھی دل میں......

''تقدیر کے آگے انسان بے بس ہوتا ہے۔ ہم کتنی ہی کوشش کرلیں جو فیصلے اوپر لکھ دیے جاتے ہیں، انہیں بدل نہیں سکتے۔''

صائمہ سر جھکائے کچھ دیر سوچتی رہیں۔

''میں تم سے اپنے ازمیر کے لیے تمہاری بیٹی کا ہاتھ مانگنے آئی ہوں سیفی۔'' اسفند یار نے ایک نظر سر جھکائے بیٹھے ازمیر کو دیکھا جو ابھی تک حیران بیٹھا تھا۔

''میں تمہیں انکار نہیں کرسکتا صائمہ......! برسوں بعد تم نے مجھ سے کچھ مانگا ہے۔''

صائمہ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اسفند یار نے ان کا مان رکھ لیا تھا۔ وقت گزر چکا تھا لیکن کچھ رشتوں کا رنگ ہمیشہ گہرا رہتا ہے۔ ازمیر کے چہرے پر...... بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

☆☆☆

شہر یار آج بہت دنوں بعد سارہ کے کمرے میں آیا تھا۔ سارہ کی حالت دگرگوں تھی وہ اتنا رو چکی تھی کہ اب اس میں مزید آنسو بہانے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

''ایسا کیوں کیا شیری تم نے...... جب تمہیں نتاشا سے ہی شادی کرنی تھی تو میری زندگی کیوں برباد کی؟'' سارہ کا چہرہ ستا ہوا اور آنکھیں بے حد سرخ ہورہی تھیں۔

''تم میری محبت ہو سارہ......! نتاشا سے شادی میں نے مجبوراً کی ہے۔'' اس نے سر جھکا کر اعتراف کیا۔

''تمہارے لیے مجبوری کا لفظ اچھا نہیں لگتا شیری......! تم نے تو صرف پایا ہی پایا ہے، نقصان تو میرا ہوا ہے، قیدی تو میں بن کر رہ رہی ہوں، میں اس زندگی سے تنگ آگئی ہوں، میں نہیں جانتی تھی کہ ماں، باپ کی نافرمانی کی ایسی سزا ملے گی مجھے۔ پتا نہیں ہم جیسی لڑکیوں کی آنکھوں پر محبت اور جذبات کی پٹی کیوں بندھ جاتی ہے؟'' سارہ کا گلا رندھ گیا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے پپوٹے سوج چکے تھے۔ وہ ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں سے نہ واپس پلٹ سکتی تھی اور نہ آگے کوئی منزل نظر آتی تھی۔

''سارہ کیوں مایوسی کی باتیں کرتی ہو، کچھ وقت لگے گا لیکن سب تمہاری حیثیت کو وقت کے ساتھ قبول کرلیں گے۔'' وہی جھوٹی تسلیاں اور کچے وعدے...... سارہ اب اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرسکتی تھی۔

''یہ جھوٹے بہلاوے مت دو شیری...... تمہاری خاندانی بیوی گھر میں آچکی ہے، میری حیثیت کے متعلق تو شاید باہر کے لوگ جانتے بھی نہیں ہوں گے۔ میں تو بس ایک کنیز یا لونڈی کی طرح زندگی گزار رہی ہوں...... میں اس زندگی سے تنگ آچکی ہوں۔'' سارہ کے لہجے کی تھکن بڑھ گئی۔ جبھی شہر یار کے موبائل پر بیل ہونے لگی۔ اس نے موبائل کی روشن اسکرین کو دیکھا تو اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

''میں پھر آؤں گا سارہ! پھر تفصیل سے بیٹھ کر بات کریں گے۔'' وہ عجلت میں کہتا باہر نکل گیا۔

سارہ ساکت آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔ یہ وہی شخص تھا جس کی وفا پر اسے اندھا اعتبار تھا۔ جس کے وعدوں پر وہ بھروسا کر بیٹھی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ مرد کے وعدے ساحل کی ریت پر

لکھی تحریر کی طرح ہوتے ہیں۔ حالات کی ایک تند لہر ان کا نام ونشان بھی مٹا دیتی ہے۔

☆☆☆

جہانگیر شاہ کی حویلی میں روز جشن کا سماں ہوتا...... لاؤنج ابھی تک سجا ہوا تھا۔ فضا میں گلاب اور موتیے کے پھولوں کی مہک رچی ہوئی تھی، شانزے لائٹ پنک کلر کے کام والے لمبے فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس سر پر دلہن کی طرح دوپٹا اوڑھے بیٹھی تھی۔ اس کے زیورات فانوس کی روشنی میں خوب چمک رہے تھے۔ سلیقے سے کیا میک اپ اس کے حسن کو دوآتشہ کررہا تھا۔ صائمہ اس کے قریب بیٹھی مسکرارہی تھیں۔ گھر میں خوشیوں کی بارات اتری تھی۔

''لگتا ہے شانزے کی کھیر پکوائی کی رسم نہیں کی جائے گی، میں اپنی بیوی کے ہاتھ کے پکے کھانے، کھانے کو ترستا ہی رہوں گا۔'' عماد، صائمہ اور جہانگیر کو شانزے کے واری صدقے جاتے دیکھ کر وہ بولا۔

''بالکل تمہارا اندازہ درست ہے، یہ شانزے کی سسرال نہیں بلکہ اس کا میکا ہے۔'' جہانگیر شاہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''بس اب ازمیر کا فرض باقی ہے، انشاء اللہ اس سے بھی جلد ہی سبکدوش ہوجائیں گے۔ اصل خدمت تو ہم ازمیر کی بیوی سے کروائیں گے۔'' نبیلہ نے ہنستے ہوئے ازمیر کو ٹہوکا دیا جو بڑی بے پروائی سے چلغوزے کھارہا تھا۔

''امی سے پوچھ لیں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے، آخر وہ سیفی ماموں کی بیٹی ہے، یہ گھر اس کا بھی سسرال نہیں بلکہ میکا ہوگا۔'' ازمیر مسکراتے ہوئے بولا۔

''بڑا عجیب اتفاق ہے، اتنے سالوں بعد سیفی کا پتا چلا اور وہ بھی اس طرح...... خیر جو ہوچکا ہے اسے بدلا نہیں جاسکتا۔ اب ہم سب سیفی کے گھر جائیں گے، خون کے رشتے ٹوٹ نہیں سکتے...... سیفی کے رگلے بچا تھے لیکن بعض دفعہ حالات اس طرح کا رخ اختیار کرلیتے ہیں کہ اپنے پیاروں اورعزیزوں کی مرضی کے خلاف فیصلے کرنا مجبوری بن جاتا ہے۔'' جہانگیر شاہ یکلخت سنجیدہ ہوگئے۔ صائمہ نے سر جھکالیا۔

''ازمیر کی پسند سیفی کی بیٹی ہوگی مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا لیکن مجھے خوشی ہے کہ بچھڑے رشتے دوبارہ جُڑنے کو ہیں۔ یہ سب شاید اسی طرح لکھا تھا ہم عام انسان ہیں تقدیر کے پھیر نہیں سمجھ سکتے۔'' صائمہ نے کہا پھر بے اختیار شانزے کی طرف دیکھا۔

''بیٹا تم تھک تو نہیں گئیں...... اس طرح دلہن بن کر بیٹھنا بھی کون سا آسان کام ہے، ہم اپنی خوشی کے لیے بچی کی جان کو مصیبت میں ڈال دیتے ہیں۔'' صائمہ نے فکرمندی سے شانزے کا چہرہ اونچا کیا۔

''نہیں امی! میں بالکل ٹھیک ہوں بھلا بیٹھ بیٹھ کر بھی کوئی تھکتا ہے۔'' شانزے مدھم سا مسکرائی۔ درحقیقت وہ بہت خوش تھی۔ برسوں بعد اپنی ماں اور اپنے بھائی سے ملی تھی۔ عماد جیسا اچھا اور محبت کرنے والا شوہر نصیب ہوا تھا۔ جہانگیر اور نبیلہ جیسے شفیق ساس‘ سسر ملے تھے۔ یہ اس کے صبر کا ہی انعام تھا ورنہ اس کی زندگی تو لوگوں کے لیے عبرت کا نشان تھی۔ اب اس کی زندگی سے اندھیرے ختم ہوگئے تھے۔

''اور نہیں تو کیا، امیر بہوؤں کے یہی تو شوق ہوتے ہیں، اچھے‘ اچھے کپڑے پہن کر بن ٹھن کر بیٹھنا، خوب سارے زیور پہننا اور لوگوں کو آرڈر پاس کرنا، آپا بھی امیر بہو کی کیٹیگری میں شامل ہوتی ہیں۔'' ازمیر دھپ سے شانزے کے قریب آبیٹھا۔

''آپ تو جانتی نہیں آپا اگر آپ کا رشتہ آسانی سے نہ ملتا تو بڑی جنگ وجدل ہوتی۔ ہم آپ کو اٹھا لے آتے۔ ہمارے لیے تو یہ زندگی اور موت کا مسئلہ بن چکا تھا۔'' ازمیر‘ شانزے کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے بولا۔ شانزے مسکرادی۔ اس نے ازمیر کے بازو سے سر ٹکادیا۔ ایک بھائی کا سہارا کتنی

تقویت دیتا ہے اسے اب احساس ہورہا تھا۔ اس نے اپنی جنت کے انتظار میں ایک طویل عرصہ جہنم میں گزارا تھا۔ اس کی آزمائش کا وقت ختم ہوگیا تھا اب اسے کسی بات کا ڈر نہیں تھا۔

☆☆☆

وقت گزرتا رہا، سارہ پر نتاشا کے پریگنینٹ ہونے کی خبر بجلی بن کر گری۔ نتاشا کا خوب خیال رکھا جارہا تھا۔ سارہ کو شہریار سے اب کوئی امید نہیں رہی تھی۔

''تم نے مجھے ماں بننے کا حق نہیں دیا شیری...... تم نے نتاشا کو یہ حق دے کر ثابت کردیا کہ تمہارے نزدیک میری حیثیت ایک لونڈی سے زیادہ نہیں ہے۔'' سارہ کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

''سارہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ہماری اولاد کی حیثیت بھی شانزے جیسی ہو...... اگر تم سے اولاد ہوتی تو حویلی میں اسے وہ نام اور مقام ملتا، وہ میرے اور تمہارے لیے ایک آزمائش ہوتی۔'' شہریار نے آہستہ سے کہا۔

''تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے شیری، مجھے فالتو سامان کی طرح اس دڑبے میں قید کیے رکھا...... مجھے بنیادی سہولیات سے بھی محروم رکھا۔ میری کوئی ذمے داری تم نے نہیں اٹھائی۔ تم نے دوسری شادی کرلی، میرا ارمانوں اور خواہشوں بھرا دل مُردہ کردیا اور مجھے ماں بننے کا حق بھی نہیں دیا۔ مجھے اپنے گھر جانا ہے شیری۔ ہما کا میسج آیا تھا، ابو نے مجھے گھر آنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں کچھ دیر کھلی ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں، میں تمہارے ہاتھوں کھلونا بنتے بنتے تھک چکی ہوں۔'' سارہ رونے لگی۔ شہریار شاید اپنے بچے کی آمد کی خوشخبری سے بہت خوش تھا۔ اس نے سارہ کو نہیں روکا۔ سارہ ایک بیگ میں اپنا ضروری سامان ڈالنے لگی۔

''ٹھیک ہے بہتر ہے کہ تم چند دنوں کے لیے اپنے ابو کے گھر چلی جاؤ۔'' وہ بہت آسانی سے مان گیا۔ ایک طرف بجی سجائی قیمتی کپڑوں اور زیورات سے آراستہ خاندانی بیوی تھی جو اسے اولاد کی خوشخبری دینے جارہی تھی۔ دوسری طرف ملگجے لباس اور اجڑے حالوں میں لپٹی یہ لڑکی تھی جس سے وہ محبت کرتا تھا لیکن مفادات محبت پر سبقت لے گئے۔ سارہ سر جھکائے واپس آگئی، اس شادی نے اسے کچھ نہیں دیا تھا۔ گھر میں کسی نے اس سے ماضی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گھر میں ہما کی منگنی کی تیاریاں ہورہی تھیں۔ شہربانو اور اسفندیار نے سارہ کو معاف کردیا تھا۔ سارہ نے شہریار کو فون کیا اور اس سے صاف الفاظ میں واپس جانے سے منع کردیا۔

''میں واپس نہیں آنا چاہتی شہریار شاہ، میری آنکھیں دیر سے کھلی ہیں لیکن اب میں سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں بولی۔

''تم میری بیوی ہو سارہ! یہ فیصلہ تم اکیلے نہیں کرسکتیں۔'' شہریار کا لہجہ غضب ناک ہوگیا۔

''تمہاری بیوی ہوتے ہوئے میں کبھی ماں نہیں بن سکتی، میں ڈی گریڈ ہوکر زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں نے تم پر ایک دفعہ اعتبار کیا اور ٹھوکر کھائی۔ دوسری دفعہ اعتبار کرنے کا رسک نہیں لے سکتی۔ میں انسان ہوں شہریار، کوئی کھلونا نہیں۔'' سارہ نے خشک لہجے میں کہا۔

''سارہ تم خواہ مخواہ بات کو بڑھارہی ہو، مرد دو شادیاں کرتے ہیں، اس کو ایشو بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' شہریار بیزار ہوگیا۔

''کیا تم میرے لیے نتاشا کو چھوڑ سکتے ہو؟ کیا مجھے حویلی میں اپنی خاندانی بیوی جیسا مقام دلوا سکتے ہو، کیا مجھے ماں بننے کا حق دے سکتے ہو، نہیں...... تم ایک کمزور مرد ہو جو صرف عورت کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے...... تمہیں میرے دل کی کوئی پروا نہیں۔ تمہیں میرے دکھ درد سے کوئی سروکار

نہیں......تم ایک خودغرض شخص ہو۔'' سارہ کے اندر کا لاوا باہر نکل آیا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔'' شہریار کو غصہ آ گیا۔

''ہاں تمہاری حویلی کے قید خانے میں رہ کر میرا دماغ خراب ہو چکا ہے، تم مجھے طلاق دے دو ورنہ میں خلع لے لوں گی۔'' سارہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ محبت کا تاج محل زمیں بوس ہو گیا تھا۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی پھر فون بند ہو گیا۔

''کیا محبت کی عمر اتنی مختصر ہوتی ہے۔'' سارہ گم صم انداز میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔ کبھی یہ شخص اس کا عشق تھا۔ اس شخص کے لیے اس نے ماں باپ کا دل توڑا، گھر سے بھاگ کر شادی کی، دنیا اور زمانے کی پروا نہیں کی۔ نہ جانے لڑکیاں محبت میں اس قدر اندھی کیوں ہو جاتی ہیں۔ ایسی شادیوں کا کم و بیش یہی انجام ہوتا ہے۔ سارہ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ اسے طلاق کے کاغذات مل گئے۔ اس دن وہ بے تحاشا روئی......محبت کے اس پُرخار سفر میں اسے کچھ نہیں ملا تھا۔ ایسی محبتیں انسان کو کچھ نہیں دیتیں۔ کاش لڑکیاں یہ بات وقت سے پہلے ہی سمجھ جایا کریں۔ سارہ کو اب پچھتاوے کی آگ میں جلنا تھا۔

☆☆☆

سکندر شاہ بے حد نحیف ہو چکے تھے۔ موت قریب ہو تو انسان کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو جاتا ہے۔ زائرہ شاہ ان کے قریب دلگرفتہ سی بیٹھی تھیں انہوں نے جو چاہا تھا ویسا ہی ہوا۔ شہریار نے سارہ کو طلاق دے دی، اب سب کچھ نتاشا کا تھا لیکن انسان جیسا چاہتا ہے ویسا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ نتاشا کا ابارشن ہو گیا اور رپورٹس کے مطابق وہ شہریار کو کبھی صحت مند اولاد نہیں دے سکتی تھی کیونکہ یہ کزن میرج کا معاملہ تھا۔ شہریار ایک جذباتی اور جلد باز شخص تھا۔ اس کی متلون مزاجی نے ہمیشہ اسے نقصان پہنچایا۔ زائرہ بیگم کے آگے ان کے اپنے اعمال آ رہے تھے۔

''صائمہ سے کہنا مجھے معاف کر دے۔'' سکندر شاہ بار بار یہی الفاظ دُہراتے۔

''اوہو......وہ عورت کوئی ولی تو نہیں ہے، جس نے آپ کو معاف نہ کیا تو غضب ہو جائے گا۔ آپ اس کا خیال ذہن میں کیوں لاتے ہیں۔'' زائرہ بیگم نے غصے بھری جھلاہٹ سے کہا۔

''میں اس کا اور اس کے بچوں کا قرض دار ہوں۔'' وہ کمزوری آواز میں بولے۔

''جو کچھ ہوا، اس میں آپ کا قصور نہیں تھا۔ حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ آپ سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتے، شانزے اپنے گھر میں خوش ہے، اسے اور ازمیر کو آپ نے ان کا حق دے دیا۔ اب کس بات کی ٹینشن ہے۔'' وہ بیزار ہو گئیں۔

سکندر شاہ نے آنکھیں موند لیں۔ کھڑکی کے پار اداس شام جھانک رہی تھی۔ بیس برس جس عورت کو نہیں سوچا آج اس کے سوا کوئی خیال ذہن میں نہیں آتا تھا۔ ایسا کیوں تھا وہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

صائمہ نے ان کا پیغام سن کر بے اختیار جواب دیا۔

''جس عورت کو کل تک پیر کی جوتی کے برابر سمجھتے تھے آج اس کے منہ سے نکلے دو لفظوں کے محتاج کیوں ہو سکندر شاہ......سکندر شاہ تو کبھی کسی کا محتاج نہیں ہوا۔'' سکندر شاہ نے یہ پیغام سنا اور اِک اداس سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔ کناروں سے سیاہ ہوتے ہونٹ مسکراتے ہوئے عجیب سے لگتے تھے۔

''مرد ہمیشہ کسی نہ کسی روپ میں عورت کا محتاج ہوتا ہے۔'' انہوں نے کہتے ہوئے آنکھیں موند لیں پھر بے اختیار کلمہ پڑھا اور آنکھیں کبھی نہ کھلنے کے لیے بند ہو گئیں۔

(ختم شد)

ا ک ۱۰